رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۸   رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۸

سلسلۂ عالیہ احمدیہ کا سب سے پہلا مشہور و معروف اخبار جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا ایک بازو قرار دیا!

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

الحکم قادیان دور جدید

THE ALHAKAM QADIAN

ہفتہ وار

خاص نمبر

جلد ۳۷
نمبر ۱۸و۱۹
بابتہ ۲۱،۲۸ مئی ۱۹۳۴ء

چندہ
والیان ریاست سے
مار
حکام و امراء سے
صہ ر
معاونین سے
عہ ر
عوام سے
صمہ ر
ممالک غیر سے
۱۲؍
فی پرچہ خاص نمبر
۴ر

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد۔ (الہام مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

بہ تقریب یوم وصال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۶ مئی سنہ ۱۹۳۴ء کو شائع ہوا:

مدیر مسئول شیخ محمود احمد مجاہد مصری عرفانی	مدیر اعلیٰ شیخ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی

الحکم کے اجراء پر حضرت خلیفۃ المسیح والمہدی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا اظہار مسرت بذریعہ مکتوب مبارک:

مکرمی شیخ صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مجھے یہ معلوم کرکے بیحد خوشی ہوئی ہے کہ آپ الحکم پھر جاری کرنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکت دے اور اس ارادہ کی تکمیل کے سامان پیدا کردے الحکم سلسلہ کا سب سے پہلا اخبار ہے اور جو موقع خدمت کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری زمانہ میں اسے اور بدر کو ملا ہے وہ کروڑوں روپیہ صرف کرکے بھی اور کسی اخبار کو نہیں مل سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ الحکم ظاہری صورت میں زندہ رہے یا نہ رہے۔ لیکن اس کا نام ہمیشہ کیلئے زندہ ہے۔ سلسلہ کا کوئی مہتم بالشان کام اس کا ذکر کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ تاریخ سلسلہ کا حامل ہے لیکن دل یہی چاہتا ہے کہ الحکم جس کا نام ہی بتا رہا ہے کہ ابتدائے ایام سے سلسلہ کے افراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کیا درجہ سمجھتے تھے اپنی ظاہری صورت میں بھی زندہ رہے

اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی نسل کو اس کی خدمت کی توفیق دیتا رہے۔ اللّٰھم آمین

خاکسار مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

(اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد عرفانی طابع و ناشر چھپکر الحکم آفس واقع تراب منزل الحکم سٹریٹ قادیان سے شائع ہوا)

کچھ اپنی نسبت

اللہ تعالیٰ کے محض فضل وکرم سے میں الحکم کا خاص نمبر شائع کررہا ہوں والحمد للہ علیٰ ذالک۔

الحکم کے خاص نمبر کی اشاعت کے اعلان کرتے وقت مجھے خطرہ تھا کہ میں اتنے شائع نہیں کرسکوں گا اس لئے کہ میں نے اس کی اشاعت کے لئے ایسی شرط لگادی تھی جو موجودہ حالات میں بآسانی پوری نہ ہوسکتی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ پچاس دوست ایک ایک سو کاپی خرید کر پانچہزار کی تعداد پوری کردیں۔ چنانچہ ابتداءً مجھے حوصلہ شکن جواب ملا۔ اور میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ خاص نمبر شائع نہ کیا جاوے۔ مگر میرے اس خیال سے متاثر ہوکر بعض احباب نے زور دیا کہ اس شرط کو اُڑا دیا جاوے اور الحکم کا خاص نمبر ضرور شائع کیا جاوے۔ صفحات کیا تھوڑے ہی ہوں اسپر میں نے اعلان کردیا کہ ۲۴ صفحوں پر شائع کردیا جاوے۔ مگر پھر دوستوں نے تقاضا کیا کہ ۳۲ صفحہ نمبر کم ازکم شائع ہو۔ میں نے احباب کے اس مطالبہ کے سامنے سر جھکا دیا۔ خریداری کے لئے ایک سو کی تعداد اُڑا دی۔ یہ فیصلہ ایسے تنگ وقت میں کیا گیا کہ مجھے اُمید نہ تھی۔ کہ خریداروں کی درخواستیں حوصلہ افزا ہوں گی۔ مگر میرے اس اعلان پر ایک سو کی درخواستوں کی رفتار بھی تیز ہوگئی۔ اور چھوٹی چھوٹی درخواستیں بھی آنے لگیں۔ اور آج خدا کے شکر کے ساتھ نمبر نذر دل کے ساتھ ہیں

الحکم کا خاص نمبر شائع کررہا ہوں

چار مہینے سے جاری شدہ اخبار کے لئے خاص نمبر نکال کر کامیاب صورت پیدا کرلینا بہت مشکل ہے۔ مگر الحکم کا **دور جدید** خدا کے **فضل اور رحم** سے قبولیت حاصل کررہا ہے۔

مضامین کے لحاظ سے میں اس نمبر کو کامیاب یقین کرتا ہوں۔ اگرچہ جیسا میں چاہتا تھا اس کو مرتب نہ کرسکا۔ تاہم جس قدر بھی مضامین ہیں وہ **حضرت اقدس** کی سیرت وسوانح کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے بصیرت افروز ایمان پیدا کرتے ہیں۔ اس خاص نمبر کی خصوصیتوں میں سے **شاہنامہ احمدیت** کے ایک پارہ کی اشاعت ہے۔ یہ قابل قدر منظوم تالیف احمدیت کے **فردوسی** صاحب لکھ رہے ہیں۔ اور اس پارہ کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ کیسی شاندار ہوگی۔ حضرت **ثاقب** اور حضرت **مختار** اور حضرت **اکمل** اور سراپا علم حضرت **بسمل** حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عصر سعادت کے قابل احترام بزرگ ہیں۔ اور انھوں نے اپنے کلام کو اشاعت کے لئے بھیجکر ممنون فرمایا۔

عہد جدید کے شعراء میں حضرت **شبنم** (رشیدی) اور **تسنیم** کا کلام بھی ایک نئی شان رکھتا ہے۔

ذکر حبیب کے سلسلہ میں مکرمی پروفیسر سردار مصباح الدین احمد صاحب نے جو گلدستہ پیش کیا ہے وہ نہایت بلند پایہ کا ہے۔ اور حضرت **اکمل** کی **یاد ایام** فی الحقیقت تڑپا دینے والی چیز ہے۔

بعض دوسرے احباب کے مضامین بوجہ عدم گنجائش درج نہ ہوسکے۔ خصوصیت سے میں نادم ہوں کہ مخدومہ محترمہ اہلیہ **حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب** رضی اللہ عنہ کا **ذکر حبیب** میں درج نہ کرسکا۔ میں نہایت ندامت کے ساتھ ان سے معافی چاہتا ہوں۔ اور الحکم کی اگلی اشاعت میں اسے شائع کررہا ہوں۔

اسیطرح عزیز مکرم **مولانا انور بٹالوی** کے مرسلہ حالات اور مکرمی مولانا **قدسی** کی نظم بھی اگلے نمبر پر ملتوی کرتے ہوئے مجھے تکلیف ہورہی ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ احباب میری مجبوریوں پر نظر کرتے ہوئے معاف فرمائیں گے۔

حضرت صاحبزادہ **سراج الحق صاحب نعمانی** اور ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب نے بھی اپنے خادم قدیم کو نوازا ہے۔

بہرحال خدا کا شکر ہے کہ یہ نمبر شائع ہوگیا۔ مجھے دوستانہ اور برادرانہ گلہ اپنے قادیان کے علماء و بزرگوں سے ہے کہ وہ الحکم کے لئے کوئی مضمون باوجود درخواستوں کے نہ لکھ سکے۔ اور حضرت **سلطان القلم** کے ان خدام کی بے اعتنائی افسوس کے قابل ہے۔

اس خاص نمبر کی اشاعت کے ساتھ مجھے حوصلہ اور اُمید ہورہی ہے کہ آئندہ الحکم کا اگر کوئی خاص نمبر شائع کیا گیا تو بہت بڑی کامیابی سے انشاء اللہ شائع ہوسکے گا۔ چنانچہ میرے زیر نظر ہے کہ

الحکم کا سالانہ نمبر

بہت بڑے حجم کا **سالانہ جلسہ** کی تقریب پر شائع کیا جاوے اور وہ مصور نمبر ہو۔

اس کے متعلق میں عنقریب اللہ نے چاہا تو اعلان کروں گا۔ اب آخر میں ان دوستوں کا شکریہ ادا کرتا جنھوں نے مجھے اس نمبر کی اشاعت میں ہر طرح مدد دی۔ اپنے عملہ میں سے عزیزم **شیخ محمود احمد صاحب** عرفانی اور منشی حبیب احمد صاحب کا خصوصیت سے ممنون ہوں کہ صرف ان کے حوصلہ دلانے پر میں اس کی اشاعت کا بار اُٹھا سکا۔

میں چاہتا تھا کہ تمام خریداروں کے نام شائع کرسکوں مگر میں صرف اُن بزرگوں کے نام دیتا ہوں جنھوں نے ایک ایک سو اور پچاس پچاس کی تعداد میں پرچے خرید کئے ہیں:۔

(۱)	حضرت صاحبزادی امۃ الحفیظ صاحبہ بنت حضرت مسیح موعود علیہ السلام	سو کاپی
(۲)	حضرت سیٹھ عبداللہ بھائی صاحب سکندرآباد دکن	،،
(۳)	حضرت نواب اکبر یار جنگ بہادر حیدرآباد دکن	،،
(۴)	جناب مرزا برکت علی صاحب امیر جماعت ابادان (ایران)	،،
(۵)	حضرت مولوی اختر علی صاحب پنشنر بھاگلپور	،،
(۶)	مکرمی مولوی عبدالاحد صاحب مبلغ سلسلہ	،،
(۷)	مکرمی مولوی غلام احمد صاحب مبلغ سلسلہ	،،
(۸)	خان بہادر چودھری محمد دین صاحب وزیر مال جے پور	،،
(۹)	قاضی محمد نذیر صاحب مولوی فاضل لائل پور	،،
(۱۰)	سردار امیر محمد خان صاحب تمندار و مجسٹریٹ درجہ اول کوٹ قیصرانی	،،
(۱۱)	بابو غلام حسین صاحب لدھیانوی جدید دہلی	،،
(۱۲)	جماعت احمدیہ راولپنڈی	،،
(۱۳)	ڈاکٹر محمد شفیع صاحب جڑانوالہ	۵۰ کاپی

میزان ۱۲۵۰

اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے آرڈر ہیں — پرچہ جب کہ نصف کے قریب چھپ گیا تو مزید آرڈر موصول ہوئے۔ مجھے افسوس ہے ان آرڈروں کی تعمیل نہ ہوسکے گی

ہاں اگر پرچہ دیکھنے کے بعد احباب دوبارہ

اس نمبر کی اشاعت

ضروری خیال کریں تو دو ہزار مزید درخواستیں جمع کردیں۔ ورنہ ادارۂ الحکم خرچ کا اس قدر بوجھ برداشت نہ کرسکنے کی وجہ سے ان کی تعمیل سے معذور ہوگا۔ (ایڈیٹر)

خطوط

چٹ نمبر کا حوالہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات دفتر ان کی تعمیل سے ایک حد تک معذور ہوتا ہے۔ اسلئے خط وکتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ دینا نہایت ضروری ہے۔ احباب خاص طور پر خیال رکھیں

(مینجر)

شاہنامہ احمدیت کا ایک پارہ!

تذکرہ ولادتِ مسیح موعود علیہ السلام

(از جناب میرزا ظہیر الدین صاحب طالب)

الحمد للہ الحکم کو ہمیشہ ناز رہے گا کہ اس نے ہمیشہ نادر و نایاب چیزوں کو اپنے محترم قارئین کے سامنے رکھا ہے۔ الحکم کا یہ خاص نمبر اس لحاظ سے ممتاز رہے گا کہ اس میں شاہنامہ احمدیت کا ایک گراں قدر شاہکار شائع ہو رہا ہے۔ قادیان کے باہر شاید ابھی تک معلوم نہ ہو اور قادیان میں بہت ہی کم لوگ جانتے ہونگے کہ ایک نہایت ذہین اور زیرک نوجوان پورے اخلاص اور محبت کے ساتھ شاہنامہ احمدیت کی تصنیف میں مصروف ہے۔ جس وقت یہ جلیل القدر تصنیف طبع ہو کر شائع ہوگی احمدیت کی ایک مؤثر تبلیغ کا انشاء اللہ ایک زبردست ذریعہ ہو سکے گی (اے اللہ ایسا ہی کر) **مرزا ظہیر الدین صاحب طالب** بڑی محنت اور محبت سے اسے لکھ رہے ہیں۔ یہ گویا سلسلہ کی منظوم تاریخ ہوگی۔ میری درخواست پر آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے واقعہ ولادت کے وقت کے حالات دیکر مجھے ممنون فرمایا۔ قارئین الحکم مرزا صاحب کیلئے دعا کریں کہ وہ اس اہم اور ضروری تصنیف کو مکمل کرنے کی توفیق پائیں۔ (عرفانی)

ہوئی صرفِ ظلمت فضائے جہاں جب
دھواں دھار ہونے لگا آسماں جب
تغیر ہوا روحِ فطرت میں پیدا
شیاطین نے دخل ایماں میں پایا
نہ ایماں رہا اور نہ ایمان والے
نہ اسلام کی شوکت و شان والے
زمانے سے مفقود تھی حق کی بستی
کہیں بدعتیں تھیں کہیں بت پرستی
نہ ہادی تھا کوئی نہ تھا کوئی رہبر
کوئی بدعتی تھا کوئی تھا بت گر
نہ تھا مرتبہ داں کوئی انبیاء کا
نہ عامل تھا کوئی کلامِ خدا کا
جھکاتے تھے سر جا کے قبروں کے آگے
شب و روز کرتے تھے پیروں کو سجدے
کوئی فرد تھا فتنہ پردازیوں میں
کوئی فرد تھا تفرقہ سازیوں میں
رسالت کی عظمت کا تھا کوئی منکر
بطونِ عقائد میں تھا کوئی کافر
کوئی منہمک تعزیہ داریوں میں
کوئی مبتلا نالہ و زاریوں میں

وہ اسلام کا ایک سرسبز پودا
محمدؐ نے پروان جس کو چڑھایا
کیا اس کو پامال جورِ خزاں نے
تغیر کیا اس میں اہلِ جہاں نے
غرض ایک طوفانِ محشر تھا برپا
سبق ذرّے ذرّے میں تھا دہریت کا
بالآخر وہ دن آیا تھا جو معیّن
کہ رحمت سے معمور تھا جس کا دامن
وہ دن جس نے اسلام کی لاج رکھ لی
وہ دن جس نے اسلام کو تقویت دی
وہ دن جس میں انوار رطب اللساں تھے
وہ دن منتظر جس کے اہلِ جہاں تھے
وہ دن جو مریضوں کو جامِ شفا تھا
وہ دن جس نے دکھلایا روئے مسیحاء
خبر جس کی فخرِ رسل دے چکا تھا
زباں پر ملائک کی تھا جس کا کلمہ
مرادیں لئے صبحِ امید آئی
تمنائیں پوری ہوئیں عید آئی
نئے سر سے اسلام کا بخت جاگا
ہوا مومنوں کا پھر ایمان تازہ

فلک پر تھے رقصاں اُدھر چاند تارے
زمیں کے اِدھر نقش تھے پیارے پیارے
خزف سارے صدف خس کہ در نجف تھے
کہ دشت و جبل سب جواہر نجف تھے
زمرد ہوا جلوہ گر بن کے سبزہ
جمالِ نہالانِ گلشن بھی نکھرا

فلک پر تھا چھایا ہوا ابرِ رحمت
ہوائیں سناتی تھیں پیغامِ عشرت
دل افروز ہر اک چمن کے نظارے
خوشی میں کھلے جاتے تھے پھول سارے

یکایک کھلے آسماں کے دریچے
کہ دیکھے خدا اپنی قدرت کے جلوے
فضا بن گئی مثلِ آئینہ ساری
کہ آنے کو تھی اک نبی کی سواری
لطائف کا انبوہ دارالاماں میں
نزولِ ملائک ہوا قادیاں میں
ہر اک دیکھتا رحمتِ کبریا کو
ہر اک دیتا تھا تہنیت مرتضےٰ کو
مبارک ہو پھر دورِ آرام آیا
مبارک مسیحائے اسلام آیا
وصیٔ نبیؐ آج پیدا ہوا ہے
ولیٔ خدا جلوہ آرا ہوا ہے
ولادت شہِ دو جہاں کی ہوئی ہے
ولادت مسیحِ زماں کی ہوئی ہے
ولادت ہوئی ہے خدا کے نبیؐ کی
ولادت ہوئی ہے خدا کے ولی کی
نہ قصے رہے بدعت و دہریت کے
نہ جھگڑے رہے کفر کی اہمیت کے
امینِ خدا اور دلارا خدا کا
حکم بن کے آیا پیارا خدا کا

سلام

سلام اے مہ آسمانِ نبوت
سلام اے عروسِ حرمگاہِ فطرت
سلام اے سپہرِ ازل کے ستارے
سلام اے خدا و نبی کے دلارے
سلام ای خلیلِ حریمِ شجاعت
سلام ای محمدؐ کے نورِ بصارت
سلام ای نبوت کے پھولوں کی ڈالی
سلام ای گلستانِ ایماں کے مالی
سلام ای جگر گوشۂ نوحِ ذیشاں
سلام ای شمیمِ گلستانِ ایماں
سلام ای تجلی و شمعِ ہدایت
سلام ای گلِ بوستانِ نبوت
سلام ای ولایت کی دنیا کے والی
سلام ای شہنشاہ ذی شانِ عالی

سلام اے غریبوں کے ملجا و ماوا
سلام اے یتیموں کے آقا و مولا

ذکریات

عالم اسلامی میں میرے آقا کے تذکرے

حضرت مسیح موعود کا ایک ادنیٰ خادم شاہی دربار میں

دسمبر ۱۹۲۹ء میں میں بغداد میں تھا۔ اسوقت عراق کے تخت پر عالم اسلامی کا مشہور مدبّر اور بہادر بادشاہ فیصل حکمران تھا فیصل کی زندگی اور اس کی تاریخ انقلابات کے صفحات سے پُر ہے۔ وہ پتلا دبلا نحیف الجثہ انسان تھا۔ مگر اس کی نظر دوربین تھی - اور اس کا فکر نکتہ رس تھا۔ اس نے نہ صرف اپنی ذات میں انقلاب پیدا کیا۔ بلکہ عالم اسلامی میں وہ انقلاب پیدا کیا جس کی یاد اب تاریخ سے مٹ نہیں سکتی وہ ایسا انسان تھا جس نے آنِ واحد میں شام کی سلطنت کھو کر عراق کی سلطنت حاصل کرلی اور اپنے تدبر سے ایک مردہ قوم کو زندہ قوموں کی صف میں لاکر کھڑا کردیا۔

جنوری کا مہینہ تھا۔ بغداد میں سخت سردی پڑ رہی تھی۔ ہاتھ ٹھٹھر رہے تھے۔ اور بارشیں بھی ہو رہی تھیں۔ بادشاہ نے مجھے باریابی کا موقع دیا۔ بادشاہ کا دیوان قصر سے دور تھا۔ اسدن سردی اور بارش اتنی تیز تھی کہ میں یقین کرتا تھا کہ آج شاہ اپنے دیوان میں نہیں آئیں گے ۹ بجے میں دیوان میں پہنچا۔ معلوم کرنے سے معلوم ہوا کہ شاہ ۸ بجے سے بھی پہلے آگئے تھے۔ مجھے حیرت ہوئی۔ ۹ بج کر چند منٹ پر مجھے طلب کیا گیا۔ شاہ کا کمرہ ایک بہت بڑا ہال تھا۔ جو ایرانی قالینوں سے مفروش تھا۔ اور جس کے مختلف کونوں میں کوچوں کے سٹ پڑے ہوئے تھے۔ شاہ دروازہ کے قریب چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاکر ٹہل رہے تھے۔ جوں ہی میرا سامنا ہوا بادشاہ کھڑے ہوگئے میں نے سلام کیا۔ شاہ نے ہاتھ بڑھایا۔ مینے مصافحہ کیا اور اس کے بعد مجھے ساتھ لیکر ہال کے صدر میں گئے۔ اور مجھے بیٹھنے کا ارشاد فرمایا اور بیٹھ گئے۔ مینے شاہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

" میں مذہبًا احمدی جماعت کا فرد ہوں۔ جن کا اعتقاد ہے کہ حضرت میرزا غلام احمد علیہ السلام قادیانی اس زمانے میں مسیح موعود اور مہدی تھے۔ ہماری جماعت اس وقت دس لاکھ سے کچھ اوپر ہے۔ ہمارے افراد تمام دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ اسوقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرزند اکبر حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ثانی ہیں۔ ان کے زمانے میں ہماری جماعت کو بڑی ترقی ہوئی۔ انہوں نے یورپ اور امریکہ کے سوا مشرق کے مختلف ملکوں میں سلسلہ کے مشن کھولے۔ اور آپنے جماعت کو پورے طور پر منظم کردیا۔ حجاز کا انقلاب جب ہوا۔ ہندوستان میں ایک زلزلہ رونما ہوا۔ سب مسلمان مخالفت کر رہے تھے۔ اسوقت صرف حضرت خلیفۃ المسیح نے آواز اٹھائی کہ جیسے دیگر اقوام کو آزادی کا حق ہے۔ ویسے ہی عربوں کو بھی حق ہے۔ عرب وہ ہیں جنھوں نے ساری دنیا کو تمدن اور علوم سکھلائے۔ اور اسلام جیسا پاکیزہ مذہب بھی ہمکو ایک عربی کے طفیل ملا " الخ

یہ سُن کر بادشاہ مجھ سے یوں مخاطب ہوئے:۔

" مجھے احمدی جماعت کا اچھی طرح علم ہے میں مرزا احمدؐ قادیانی کو دنیا کا ایک بہت بڑا انسان سمجھتا ہوں۔ میں انکی جماعت کے کام سے جو یورپ امریکہ میں ہو رہا ہے واقف ہوں۔ اور میرے دل میں اس جماعت اور اس کے بانی کا بڑا احترام ہے اور عربی قضیہ میں جو امام جماعت احمدیہ قادیان نے کہا اسکے لئے میں اپنے اندر جذبہ امتنان پاتا ہوں "

(۲)

دجلہ کے کنارے

دجلہ کا کنارہ تھا۔ شاہ علی بن حسین جو حجاز کے بادشاہ تھے۔ اپنے محل کے شہ نشین پر جو بالکل دجلہ کے پانی پر واقع تھا۔ آرام کرسی پر تنہا بیٹھے ہوئے تھے۔ اور دجلہ میں کشتیوں کی سیر دیکھ رہے تھے۔ صبح کا وقت تھا۔ سورج کی کرنیں دجلہ کے پانی میں پڑ کر عجیب سیمابی منظر پیدا کر رہی تھیں۔ ہوا میں ایسی خنکی تھی جو تازگی لئے ہوئے تھی۔ دجلہ کے کنارے اسوقت خاص رونق تھی۔ ملک علی اس پرلطف منظر کی سیر کر رہے تھے کہ خاکسار کو باریابی کا موقع ملا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر آیا۔ بادشاہ بغور سنتے رہے اور پھر کہا:۔

" مینے مرزا قادیانی کا ذکر پہلے بھی سنا ہے۔ میں انکو اسلام کا بڑا خدمت گذار جانتا ہوں۔ میرے خیال میں دعوے میں ان کو غلطی لگی ہے "

(۳)

نیل کے کنارے

وادی دجلہ اور فرات سے نکل کر اور شام اور فلسطین سے گذر کر میں وادی نیل میں گیا۔

ایک دن شام کا وقت تھا۔ علامہ احمد ذکی پاشا کے محل کے سامنے ایک چھوٹا سا باغیچہ ہے۔ جس میں آم کے درختوں کو خاص امتیاز ہے۔ باغیچہ میں تر و تازگی تھی۔ چھڑکاؤ ہوا ہوا تھا۔ اور پاشا موصوف نے اپنے دوستوں کے جمگھٹے میں بے تکلف بیٹھے ہوئے تھے۔

مصر کے پاشا عام طور پر انگلستان کے لارڈوں سے کم نہیں ہوتے۔ اسلئے علی العموم ان میں ایک قسم کا تکبر پیدا ہو جاتا ہے ان کے محلات میں ملنا بھی آسان نہیں ہوتا۔ مگر ذکی پاشا کے محل میں یہ باتیں مفقود تھیں۔ وہ عرب ہیں۔ عربوں کے لیے خاص جذبات رکھتے ہیں۔ اپنے آپ کو شیخ العروبہ کہتے ہیں اور قصر کے دروازے پر

دار العروبہ

لکھا ہوا ہے۔

احمد ذکی پاشا اسلام کے زبردست مورخ ہیں۔ مجلس وزراء کے سکرٹری تھے اسوقت عالم عربی میں بہت محبوب ہیں۔

ان کے قصر کے سامنے نیل کا دریا بڑی شان سے بہ رہا تھا سامنے کے کنارے پر رنگین بڑے بڑے ہوس بوٹ اُن کے اوپر سر بفلک عمارتیں۔ ان کے اوپر کوہ مقطم کی چوٹیاں۔ اور کھجور کے درخت دل میں ایک زندہ دلی پیدا کر رہے تھے۔

ایسے سہانہ وقت میں روزانہ ذکی پاشا اپنی مجلس لگاتے ہیں کوٹ پتلون اُتار کر ایک لمبا عربی کرتا پہن کر اور سر پر ایک ایسی ٹوپی جیسے دہلی والے پہنتے ہیں پہن کر بیٹھتے ہیں۔ شطرنج اور اسی قسم کی اور کھیلیں بھی کھیلی جاتی ہیں۔ باتیں بھی ہوتی ہیں۔ خوش گپیاں۔ علمی تذکرے۔ تاریخی بحثیں سب کچھ اسی مجلس میں ہو جاتا ہے۔ میں بھی گاہ گاہ اس مجلس میں پاشا کو ملنے جایا کرتا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی پاشا نے اپنی عادت کے مطابق مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ آئے۔ اپنے دوستوں سے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ یہ مرزا احمد قادیانی کے مذہب کے یہاں مبشر ہیں۔ یہ کہنے پر میری طرف گردنیں اٹھیں۔ اور بعض استہزاء سے اور بعض محبت سے ملنے لگے۔

پاشا نے پھر کہا:۔

" یہ لوگ بڑے باہمت ہیں۔ دنیا میں انھوں نے اسلام کی اشاعت کا وہ کام کیا ہے جسکی مثال صحابہ کے زمانہ کے کہیں نہیں ملتی۔ یورپ میں امریکہ میں ان کی مساعی سے اب سینکڑوں مسلمان پیدا ہوگئے ہیں "

مینے کہا کہ یہ ساری خوبی میرے سید و مولیٰ کی ہے جس نے ایسی جماعت پیدا کی۔ تو پاشا نے کہا کہ

" بلاشک بلاشک یہ سب انھیں کی برکت ہے۔ وہ اسلام کا مایہ ناز فرزند تھا لوگ سمجھتے نہیں "

(۴)

خدیو مصر کی والدہ کے محل میں

قاہرہ کے بہترین حصے میں ایک جگہ قصر الدوبارہ ہے جہاں خدیو عباس حلمی سابق فرمانروائے مصر کی والدہ کا محل ہے۔ یہ محل بڑا شاندار محل ہے۔ اس محل کی مصر میں بڑی شہرت تھی۔ اسلئے کہ خدیو کی ماں جو ام المحسنین کہلاتی تھی اس جگہ رہتی تھیں۔ سینکڑوں آدمیوں کا جمگھٹا تھا۔ محل میں بڑی چہل پہل تھی۔ جب خدیو مصر کے چھوٹے بھائی ہز ہائینس محمد علی پاشا سے ملنے گیا۔ محل میں اس رات بے شمار ملاقاتی جمع تھے۔ خاکسار نے .... شاہی رجسٹر میں اپنا نام احمدیہ مشنری کے مبارک الفاظ کے ساتھ درج کردیا۔

قصر لقبہ نور بن رہا تھا۔ مجھے میری باری پر اندر بلایا گیا۔ محمد علی پاشا ایک شکیل و وجیہ نوجوان ہیں۔ دروازے پر آپ کھڑے تھے۔ میں آپ کو پہچان نہ سکا۔ مینے ان کو باڈی گارڈ کا افسر خیال کیا۔ میں آگے آگے تھا۔ اور ہز ہائینس میرے پیچھے۔ میں جب ایک کمرے سے گزر گیا۔ دوسرے میں قدم رکھا۔ تو مینے ادھر ادھر دیکھا۔ مگر مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ تیسرے کمرے میں جا کر مینے پوچھا ہز ہائینس کہاں ہیں؟۔ ہز ہائینس مسکرائے اور کہا کہ میں ہوں! میں شرمندہ ہوا۔ کمرے میں میرے ساتھ ابراہیم حسن انصاری بے تھے۔ مینے پاشا کو سلسلہ کا پیغام دیا۔ کتابیں پیش کیں۔ پاشا نے سن کر کہا کہ "میں آج سے پہلے احمدیت کو تفصیل سے نہیں جانتا تھا۔ مگر مینے ذکر سنا تھا۔ اور امریکہ میں سنا تھا کہ لوگ احمدی ہو رہے ہیں" پھر کہا کہ:—

میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ میرے دل میں سید احمد کی بڑی عزت ہے میں اس فرزند مشرق کی عزت کرتا ہوں جس کے سامنے یورپ و امریکہ جھکے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ مشرق کا ہر فرزند اپنے ایسے فرزندوں کی عزت کرے خواہ ان کے عقاید کچھ ہی کیوں نہ ہوں"

٥

ایک صوفی کے پاس

قاہرہ کے پرانے حصہ میں پیچ در پیچ گلیوں میں ایک بڑا مکان ہے۔ جو کسی زمانے میں بہت بڑا محل ہوگا۔

اس محل میں ایک بہت بڑا صوفی (جس کے ہزارہا مرید ہیں۔ اور مرید اپنے پیر کے پروانے ہیں) رہتا ہے۔ آپ کا نام نامی صوفی سید محمد ماضی ابو العزائم ہے۔ عالم اسلامی میں آپ کو ایک خاص شہرت حاصل ہے۔

ایک رات کا واقعہ ہے کہ میں ان اندھیری گلیوں میں گزرتے ہوئے اس بڑے مکان میں داخل ہوا اور مکان کے اونچے نیچے صحن سے گذر کر ایک بڑے ہال میں پہونچا۔ جہاں ان کے مرید ذکر کی محفل گرم کئے ہوئے تھے۔ میں نے صوفی صاحب کے متعلق دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ اندر کے کمرے میں بیٹھے ہیں۔ آپ ایک بڑی آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مریدوں کا حلقہ گرد تھا۔ روشنی دھیمی تھی۔ کوئی ان کے برابر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ مگر مجھے آپ نے ہمیشہ اپنے قرب میں اور ساتھ بیٹھنے کا شرف دیا۔ مجھے دیکھ کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور کہا کہ

"اسلام میں سخت قحط الرجال ہے آج اگر سید احمد ہوتے تو میں ان کے جوتے کو اپنے سر پر رکھ لیتا۔ لوگوں نے ان کی حقیقت کو نہیں جانا۔ اور بڑا ظلم کیا ہے"

٦

ایک دشمن کی مجلس میں

مینے جہاں سیکڑوں مداح دیکھے۔ وہاں سیکڑوں دشمن بھی دیکھے دشمنوں کے گھروں میں بھی میرے آقا کا ذکر ہوتا ہے۔ اس میں بھی آپ کی ایک عظمت اور شان معلوم ہوتی ہے

محب الدین خطیب ہمارے سلسلہ کے ایک بڑے نامی گرامی دشمن ہیں۔ ان سے ملنے کے لئے ہم چند دوست گئے۔ وہ اپنے دفتر اور کتب خانہ میں موجود تھے۔ آپ اخبار کے ایڈیٹر ہیں۔ اور ہماری دشمنی میں خاص جوش رکھتے ہیں۔ سلسلہ کا ذکر سنکر بولے:—

"میرا بس چلے تو میں توپوں اور مشین گنوں کو لے کر جاؤں اور احمدیوں کے مکانوں کو تباہ کر دوں۔ ان کا قتل عام کر دوں — مرزا نے دنیا میں ایک ایسا فتنہ پیدا کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ مسلمانوں کو دو حصوں میں اس شخص نے تقسیم کر دیا۔ آپ لوگوں کی مساعی حیرت انگیز ہیں۔ کاش یہ کسی نیک کام کے لئے ہوتیں"

اگرچہ بظاہر یہ الفاظ ذمت سے پر ہیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر کوئی دشمن کیا مدح کرے گا۔ اور میرے آقا کی عظمت کا کیا اعتراف کرے گا

الغرض اس طرح مینے اپنے آقا کا ذکر عالم اسلامی کے محلوں اور ایوانوں میں سنا۔ اور اپنے اوپر وجد کی سی حالت طاری ہوتی دیکھی۔

خدا نے چاہا تو پھر بھی کبھی اس ذکر کا تذکرہ کروں گا۔

(محمود احمد عرفانی)

وہ چہرہ منور کچھ اور دیکھ لیتے

از قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل

وہ چہرہ منور کچھ اور دیکھ لیتے
وہ دلستان و دلبر کچھ اور دیکھ لیتے
ہو اصل جس کی ثابت اور فرع آسمان پر
اس نخل کا گل تر کچھ اور دیکھ لیتے
کیا کاٹ تھی غضب کی دشمن کی صف الٹ دی
تیغ نبی کے جوہر کچھ اور دیکھ لیتے
وہ ظہر و عصر آکر کچھ دیر بیٹھ جانا
وہ جلوہ مکرر کچھ اور دیکھ لیتے
ہر روز تھا میسر۔ دیدار روئے انور
یہ خوبی مقدر کچھ اور دیکھ لیتے
خوشبو پہونچتی جس کی میرے مشام جاں تک
وہ گیسوئے معنبر کچھ اور دیکھ لیتے
وہ حسن مجتبائی، وہ خلق مجتبائی
وہ شان رب اکبر کچھ اور دیکھ لیتے
وہ لطف و مہربانی وہ انکی قدر دانی
تسکین قلب مضطر کچھ اور دیکھ لیتے
جس نے پلائے اکمل بھر بھر کے جام وحدت
وہ معرفت کا کوثر کچھ اور دیکھ لیتے

اعجاز القرآن

(حضرت مسیح موعودؑ کے قلم سے)

ساٹھ سال پیشتر کا ایک نوٹ

جمع کیا ہے۔ اس نے علوم اولین اور آخرین کو اور بیان کیا ہے۔ ان تمام امور کو جن میں تزکیہ نفس ہے، اور علاج امراض روحانی ہے۔ اور تکمیل قوت نظری اور عملی ہے یعنی بیان کیا ہے۔ ان تمام حقائق کو جو مقام سعادت عظمی پر پہنچنے کے لئے وسائل ضروریہ ہیں۔ کلمات قلیلہ اور حروف محدودہ ہیں اور ایسی فصیح عبارت میں جس کی مثل کوئی دوسری عبارت نہیں ہوسکتی۔ پس اس کے الفاظ سب الفاظ سے فصیح ہیں۔ اسکی نظم ہر ایک نظم سے احسن ہے۔ اور وہ اصح عقائد اور اخلاق اور طریقہ عبودیت پر مشتمل ہے اور جس امر کو اس نے علت غائی ٹھیرایا ہے۔ وسائل کاملہ سے اس تک پہنچاتا ہے۔ اور وصول الی المطلوب کے لئے ایسا طریق مستحکم رکھا ہے جو عند العقل اس سے بہتر اور الیق ہرگز متصور نہیں۔ اور دنیا میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں اور اذہان بنی آدم سے کوئی ذہن اسکی طرف سبقت لے جانے والا ثابت نہیں اور خود عند العقل قویٰ بشر کا اس پر قادر ہونا ممکن نہیں۔ پس عقلاً اس بات پر قطع کرنا واجب ہوا کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کا کلام ہے۔ جس کا علم وسیع اور قدرت کامل ہے۔

جذباتِ بسمل

حضرت علامہ عبید اللہ صاحب بسمل اُن بزرگوں میں سے ہیں جن کو پیکر علم و فضل کہا جائے تو مبالغہ نہیں۔ آپنے احمدیت کے لئے شاندار قربانیاں کی ہیں۔ عزت و مال اور سب کچھ نثار کر دینے میں مضائقہ نہیں فرمایا۔ آپ خود ایک صاحب ارشاد باپ کے فرزند ہیں۔ مگر احمدیت کے لئے آپنے پیرزادگی اور خواجگی کو قربان کرنا آسان سمجھا۔ الخ …… اور ایڈیٹر الحکم کے ساتھ آپ کو ہمیشہ سے بہت محبت ہے۔ اور یہ اسی محبت کا کرشمہ ہے کہ اس سن و سال میں جو اسی سے متجاوز ہے آپنے خاص نمبر کے لئے مندرجہ ذیل نظم لکھ کر مجھے ممنون فرمایا۔ احباب علم و فضل کے اس پیکر کی صحت اور درازی عمر کے لئے دعا کرتے رہیں۔ (عرفانی)

تازہ کردن ایمان بمدح مہدی آخر زمان مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

شکر للہ باز از چرخ بریں
گشت نازل بر مسیح روح الامیں
از فلک ادریس آمد بر زمیں
بہر تدریس نکات علم و دیں
باز کشتیبان امت گشت نوح
گشت تازہ دیگر باب فتوح
باز اسمٰعیل را رب جلیل
کرد خواں سالار بر خوان خلیل
باز یوسف شد بکنعاں جلوہ گر
دیدۂ یعقوب شد بینا دگر
باز آمد در جہاں آں ایلیا
کانتظارش می کشیدند انبیا
جلوہ سا عیسیٰ شد دیگر عیاں
نخل امیں بار دیگر گلفشاں
دین احمد باز بر کرسی نشست
بر صلیب عیسوی آمد شکست
غیرت حق بانگ بر زد طرقوا
داد وحی حق صلائے اشربوا

آدم ثانی سمی مصطفےٰ
مہدی دیں نائب خیر الوریٰ
آفتاب مطلع حق الیقیں
ماحی بدعت امام المتقیں
قائد اعظم امیر المومنیں
ناصر الاسلام کہف شرع دیں
شمع ایوان فضل و موہبت
مطلع دیوان علم و معرفت
از ملک بگزشتہ در فضل و کمال
از فلک بگزشتہ در جاہ و جلال
مہر و مہ پروانۂ رخسار او
جان و ایماں زندہ از گفتار او
خلعت علم لدنی در برش
صد سلام از جانب پیغمبرش
نور احمد کرد در احمد ظہور
نیر اسلام شد تابندہ نور

ہر کہ بود از فضل رب قد بصر
شد ز خاک پائے او روشن بصر
آنچہ بر توحید او کردہ رقم
ہست در انجیل کز ای لو الحکم
آنچہ او ابطال باطل کردہ است
کے مسیحا پیش عاقل کردہ است
گر نداری ایں سخن باور ز من
پیش کن انجیل او در انجمن
چوں مشکک نیستی گر در گماں
بر براہیں غور کن جرح بخواں

خدمت دیں ہر کہ می سازد زیاد
می فزاید رتبہ اش رب العباد
خدمت توحید حق اندر جہاں
چوں محمد کس نکرد از مرسلاں
لاجرم شد ختم بروے ہر کمال
از عنایات قدیر ذو الجلال

اندریں دوراں کہ از جوش فتن
منکراں کردند ہر سو انجمن
تا مگر اسلام را دستے زنند
نخل برکاتش از یں برکنند
از برائے نصرت دین نبی
حق تعالیٰ کرد مبعوث ابن جری
ہمچو سید کرد با سیف و سناں
نائب او کرد با سیف زباں
با دلائل پشت ترسا را شکست
اسقف اعظم پس زانو نشست
شد بہ توبیخش چنیں ہم منفعل
آریہ ہم گشت در دیش خجل
قوم سکھ را آنچہ از الزام داد
گفتہ ہائے نانکش را داد یاد

بادعائے خود نہ با تیغ و حسام
گشت آتھم را لسان لیکھرام
وقت رحلت حضرت خیر البشر
داد از رحمت بامت ایں خبر
بر سر ہر قرن آید بالیقیں!
یک مجدد از پے تجدید دیں
گر ثریا بر رود گر علم دیں
آید از ابنائے فارس بر زمیں
مہدیؑ ہادی بدور آخریں
می کند تجدید ایں دین متیں
ہمچنیں فرمود با قول فصیح
مہدی امت بود عیسیٰ مسیح
در حدیث خویش آں خیر العباد
عیسیٰ جاں کش نامش نہاد
ابن مریم برد احمد نام او
آگہی بخشید از ایام او
چار سو از قول و فعل مشرکیں
لرزہ می افتد بہ اندام زمیں
آں امام الوقت آید از خدا
می نماید حق و باطل را جدا
می نشاند فتنۂ یاجوج را
سرد سازد آتش ماجوج را
با براہین و ادلہ آں حبیب
می نماید در جہاں کسر صلیب

اندریں دوراں کہ دستاں کردہ اند
مکرہا انساں پرستاں کردہ اند
تا برند از راہ یک نفس غبی
افترا بندند بر ذات نبی
ابن مریم را صفات ایزدی
میدہند از جہل و از بدمشربی

خالق الاصباح از لطف اتم
دید چوں پژمردہ دل خیر الامم
از پے درمان درد مذہبی
ساخت مبعوثش با اخلاق نبی
بعد سلطان رسل خیر الانام
ہیچکس را شد نہ حاصل ایں مقام
موت عیسےٰ کرد ثابت با دلیل
مذہب کفارہ شد بکسر ذلیل
چوں مسیحا را بگور اندر نشاند
ہیچ حجت قوم ترسا را نماند
کرد دیگر جہد بس کشتش با حشیش
گشت غرق آخر ز کیش کنشتش
گشت روشن با براہین قوی
بر زمانہ فضل ذات احمدی
ترس زو خوردند ترسا زادگاں
سرنگوں پائے صلیب افتادگاں
ضربتے او از پے کسر صلیب
گفت با غیں راہب یا لضیب
کرد غالب آنچناں اسلام را
برہمن زد پشت پا اصنام را
ہندواں زنارہا بگسستہ اند
با ارادت پیش او بنشستہ اند
صد برہمن را مسلماں کردہ است
گبر را شیدائے ایماں کردہ است

للہ الحمد آمد آں مرد جری
از برائے نصرت دین نبی
پایۂ قرآں را واضح نمود
رتبۂ فرقاں را لائح نمود
کرد ثابت پیش ارباب نحل
فضل سید بر مشاہیر ملل
با زباں تازی یثرب زمیں
قادیاں را ساخت فردوس بریں
بلبلاں قدس سر کردند باز
نغمۂ دلکش بہ آہنگ حجاز

آں رسول حضرت خیر الرسل
فائح زو نشرہا چوں بوئے گل

در نقش گلدستہ ام الکتاب
ہم عرب ہم ہند ازو فیضیاب
فاضل و تحریر سلطان القلم
ہم عرب را فتح کردہ ہم عجم

ماند با ایتم اے مرد جہول
مثل او جانباز در حب رسول
برتر از افلاک شانش یافتیم
مہر و مہ از شاہدش یافتیم
ہر کہ سر پیچید بسمل زیں جناب
بے نصیب افتاد از حسن المآب

اے برادر چند بانی بدگماں
ان بعض الظن اثم را بخواں
چند بر قندیل عرفاں تف کنی
چند بر خورشید ایماں تف کنی
دشمنی با خاصگان کبریا
بے خطا باشد خطا باشد خطا
اے برادر ترس از رب غفور
جان خود را از تعصب دار دور
اے برادر مثل او بنما مرا
خیر خواہ ملت خیر الورےٰ
آنکہ او شد محو در ذات رسول
ہر چہ فرماید بکن از دل قبول
چوں فتد در کورۂ آتش حدید
می شود ہمرنگ آتش اے رشید
راست گوید گر بگوید آتشم
محو آتش گشتہ من آتش وشم
مہر رخشاں بود فخر انبیا
آئینہ ہا اولیا و اصفیا
آں بود آئینہ اش مثل قمر
پرتو کامل درو شد جلوہ گر
نور احمد کرد در احمد ظہور
طور سینا گشت یکسر کوہ نور
از فلک خورشید چوں شد نور پاش
اے برادر کور چوں شپر مباش
کافرے گیرد اگر شکل مسیح
میکنی باور تو بارائے ذبیح
مومنے گردد اگر مثل مسیح
میکنی بروے تو صد طعن صریح
اے برادر اندکے انصاف کن
برمکن انصاف را از بیخ و بن
حسب وعدہ آمد از رب جلیل
ایں جلیل القدر مانند خلیل
ایں جری اللہ کہ در عہد فتن
کردہ با اعجاز احیاء سنن
چند می پیچی تو بر عیسےٰ امل
تر مارا ہم امر کہ مالم یزل

اے برادر تو مشو مردود وقت
ورنہ گردی پیش حق مردود وقت
وقت را بشناس گر فرزانۂ
ورنہ پیش عارفاں دیوانۂ
آمدہ بر وقت ایں شیر خدا
با شواہد در لباس انبیاء
اے دریغا وقت را نشناختی
خویشتن را در بلا انداختی
ہیچ کارے بدتر از انکار نیست
جز ندم انجام اشکبار نیست
ابن آدم باش و شیطانی مکن
چوں نہ بو جہل نادانی مکن
گر تو نشناسی امام وقت را
می شوی در جاہلیت مبتلا
وقت را بشناس تا یابی مراد
لا امام المرء بعد الاجتہاد

خیز و خاک درگہ محمود باش
پیش رب ذو المنن مسعود باش

(بسمل)

چھبیس ۲۶ مئی کا دن

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعش مبارک پر ایک اولوالعزم کا عہد

۲۶ برس گزرتے ہیں اس تاریخ کو حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالےٰ کے وعدے کے موافق وفات پائی - اور آپکے جسم مطہر کو **مقبرہ بہشتی** کی خاک پاک میں سپرد کردیا گیا - احمدی جماعت میں یہ دن **یوم الامتحان** تھا. مگر خدا تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے جماعت احمدیہ کو ہر قسم کے انتشار سے بچالیا - اور سب کو حضرت **حکیم الامت** کے ہاتھ پر اسی طرح جمع کردیا جس طرح **قدرت ثانی** کے ظہور کا وعدہ دیا تھا - آج ۲۶ سال گذرنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ وہ ہمارا محبوب **مطاع** ہم میں موجود نہیں. مگر اس کی وہ یادگار جو ع

پرستش یادگار می بینم

کی یادگار ہے - اور جو **حسن واحسان میں اسکی نظیر ہے** ہم میں وہی روح اور **قوت** پیدا کررہا ہے - اور وہ سلسلہ جو اس وقت بیج کی طرح تھا. آج ایک سایہ دار درخت کی مثال ہے جس کی شاخیں **اطراف عالم** میں پھیلی ہوئی ہیں اور جن کے تازہ بتازہ شیریں پھل ہر وقت شادکام کرتے رہتے ہیں.

میں احمدی جماعت کے افراد کو ۲۶ برس پیچھے لے جاکر وہ نظارہ دکھانا چاہتا ہوں جبکہ خدا تعالیٰ کا **مامور ومرسل** ہم سے آنا فانا علیحدہ ہوچکا تھا - اسوقت ہر قسم کے خطرات جماعت کے سامنے تھے. آپکے **جسد مبارک** پر ایک **نوجوان** کھڑا ہے - اس کو جسمانی تعلقات کی وجہ سے اس پاک وجود کا لخت جگر ہونے کی عزت حاصل ہے. وہ اپنے مستقبل کو اسوقت نہیں دیکھتا. وہ **خطرات** جو ذاتی طور پر اپنے خاندان کا سب سے بڑا ممبر ہونے کی حیثیت میں اس کے گردوپیش ہوسکتے. اسے بھول جاتا ہے. بجائے اضطراب اور گھبراہٹ کے اسکے قلب میں **سکون** اور **اطمینان** ہے. اسکے **حواس** پہلے سے بھی زیادہ **تیز** ہیں. اگرچہ قدرتی طور پر اسکی سکینت بیقراری سے اور استقلال گھبراہٹ سے بدل جانا چاہیئے. مگر وہ خود اس امر سے ناواقف ہے کہ اس کی حالت میں یہ انقلاب کیوں ہے؟ اگرچہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات سے بہت بڑا انقلاب ہوچکا ہے. مگر اس کی نظر کسی اور چیز کو دیکھ رہی ہے - وہ باپ کی نعش پر آتا ہے اس کی آنکھیں پرنم نہیں. بلکہ وہ اسوقت بالکل استقلال و پامردی کا ناقابل جنبش پیکر بن کر **خدا میں وصال یافتہ** باپ کی نعش پر آکھڑا ہوتا ہے - اور اسوقت خدائے برتر کے حضور ایک **عہد** کرتا ہے جس کا خلاصہ اور مفہوم میرے اپنے الفاظ میں اس طرح ہے :-

"اے خدا! میں تیرے حضور اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ تو نے میرے باپ حضرت میرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسیح اور مہدی کرکے بھیجا. وہ تیرا نبی اور رسول تھا - اور یہ عزت و شرف اس نے حضرت خاتم الانبیاء **محمد مصطفےٰ** صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت اور پیروی سے پایا - وہ فی الحقیقت اپنے نام کی طرح غلام احمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا - وہ تیرے وعدوں کے مطابق آیا دنیا نے اس کو قبول نہ کیا پر تو نے اسکو قبول کیا - اور زور آور حملوں سے اسکی سچائی کو ظاہر کیا میں آج اس کی نعش پر کھڑا ہو کر تیرے حضور صدق دل سے اقرار کرتا ہوں کہ جس سلسلہ کو تو نے اس کے ذریعہ قائم کیا ہے میں اسی سلسلہ کی تبلیغ واشاعت میں اپنی زندگی ختم کروں گا. خواہ دنیا میں ایک آدمی بھی میرے ساتھ نہ ہو. تو ہی میرے لئے بس ہے - اور تیری ہی تائید اور توفیق ہے میں اس خدمت کو سرانجام دے سکوں گا"

یہ اس **عہد** کا خلاصہ ہے. جو اس نوجوان نے خدا کے مامور ومرسل کے جسد مبارک پر کھڑے ہو کر اسوقت کیا جبکہ وہ دنیا میں **یتیم** بنادیا گیا تھا یہ **عزم** یہ **حوصلہ** یہ **سکینت** کی **روح** کیا محض خیالات سے پیدا ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں. یہ عہد اسکے دماغ کی اختراع نہ تھی اور یہ سکینت اور استقلال. نمائش اور تکلف کا نتیجہ نہ تھی - بلکہ **روح الامین** اور **ذو القوۃ المتین** کے ذریعہ ایک فیضان تھا جو خدا کی طرف سے **اترا** اور واقعات نے بتایا ہے کہ یہ عہد - **برکت** اور **فتوحات** کا عہد تھا -

اسوقت کچھ شک نہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی **وفات** ایک ناقابل برداشت صدمہ تھا. مگر **قدرت ثانی** کے ظہور کے لیئے اس واقعہ کا ہونا بھی لازمی تھا - اور اس کے آنے کے لئے آپکا جانا ضروری تھا.

اب چھبیس برس کے واقعات کو آج اپنی آنکھ کے سامنے لاؤ. اور دیکھو کہ اس **اولوالعزم** کے عہد کے آثار و ثمرات کیا ہیں؟ یہ عہد کچھ شک نہیں کہ ایک شخص کا عہد تھا. جس کو اسوقت معلوم نہ تھا کہ وہ ایک جماعت کا **قائم مقام** ہے. مگر واقعات نے بعد میں بتادیا کہ یہ عہد ایک شخص کا عہد نہیں بلکہ تمام احمدی **جماعت کا عہد ہے**.

اسلیئے آؤ ہم اپنے نفوس اور قلوب کا جائزہ لیں کہ کیا ہم اس عہد کے پورا کرنے کی قوت اور جوش اپنے اندر رکھتے ہیں. حضرت **اولوالعزم** کا اسوقت یہ اقرار کرنا کہ اگر **ایک آدمی** بھی میرے ساتھ نہ ہو. تو میں اکیلا اس سلسلہ کو دنیا میں پھیلاؤں گا چھوٹی سی بات نہیں ہے. اسکی روح میں جو امام اور **خلیفہ** ہونے کی **قوت** موجود تھی - وہ قوت اس سے اقرار کرا رہی تھی. ورنہ وہ یہ نہ کہتا کہ **خواہ ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو**. پس جبکہ ہم سب نے اسکے واسطہ سے اقرار اور عہد کیا ہے. تو ہمارا فرض ہے کہ ہم دیکھیں کہ اس عہد کے پورا کرنے کے لئے ہمارے اوقات ہمارے ذرائع مالی کہاں تک قربان ہو رہے ہیں کہ یہ قربانی کی روح ہم میں پیدا نہیں ہوئی اور ہم میں سے ہر ایک اپنا خالص فرض نہیں سمجھ لیتا کہ میں ہی اس سلسلہ کی اشاعت وتبلیغ کے لئے واحد ذمہ دار ہوں. تو یاد رکھو کہ ہم اس **عہد** (خدا نہ کرے) توڑنے والے ہیں جو حضرت **امام** کے ذریعہ حضرت **مسیح موعود** علیہ السلام کے جسد مبارک پر اسوقت کیا گیا تھا. جبکہ آپ کا رفع ہورہا تھا - ذمہ داری نازک اور کام محنت طلب ہے اور ہم سے اسی **فدیہ** اور قربانی کو چاہتا ہے - جس کا نمونہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دکھایا تھا اگر اسی رنگ کی قوت اور تاثیر لے کر ہم اٹھیں گے. تو یقیناً خدا کی تائیدات اور نصرتیں ہمارے شامل حال ہوں گی. اور ہم میں سے ایک ایک فرد ایک جماعت کا رنگ پیدا کرے گا. لیکن اگر ہم نے سستی کی اور غفلت سے کام لیا - تو خدا تعالےٰ نے جن کاموں کا ارادہ کیا ہے وہ تو ہو کر رہیں گے کہ **سالار قوم** - **اولوالعزم** اور **فتح وظفر کی کلید** کا مالک بنایا گیا ہے. مگر ہم پر افسوس ہوگا کہ ہم

پہلے آکر پیچھے ہوگئے

خدا نہ کرے کہ ہم وہ ہوں بلکہ **السابقون الاولون** کے ساتھ جو وعدے خدائے بزرگ و برتر نے کیئے ہیں ہم ان کے وارث ہوں.

پس میرے دوستو! **۲۶ مئی کا دن** آیا اور تمہیں تمہارے عہد کو یاد دلا کر گزر گیا. کمریں کس لو. **منزل دور** اور **کٹھن** ہے. اور دشمن خطرناک طور پر تمہارے مقابلے کے لیئے اٹھا ہے. منزل کے خطرات اور **دشمن کے حملے** تمہاری ہمت کو پست کرنے کے لیئے نہیں. بلکہ تمہارے حوصلے اور عزم کو بلند کرنے کے لئے ہیں - اسی ادا سے تم ان **وعدوں** کو پالو گے جو

"بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"

کے الفاظ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کیئے گئے.

قدرت ثانی کا ظہور

پوری قوت اور شان سے بہت جلد کامل ہونیوالا ہے

ایسا نہ ہو کہ

ہماری کمزوریوں اور سستیوں سے اس میں توقف اور تعویق ہو.

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے پرانے خدام میں

کپور تھلہ کا سفر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے پرانے خدام کی خصوصیت سے دلجوئی اور قدر فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ شفقت و محبت کے ایسے برتاؤ کرتے کہ ان کی یاد آج دلوں کو تڑپا جاتی ہے۔ نمائش اور تکلفات سے آپ ہمیشہ آزاد تھے۔ اس نمبر میں خصوصیت سے اس عنوان کے تحت میں جماعت کپور تھلہ کا ذکر کرتا ہوں اور بعض وہ واقعات یہاں دیتا ہوں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفر کپور تھلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس جماعت کے مخلصین میں سے حضرت اخویم محمد خان صاحب۔ حضرت منشی محمد اروڑے خان صاحب اور حضرت منشی حبیب الرحمان صاحب رضی اللہ عنہم اپنے محبوب سے جا ملے ہیں۔ اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا تھا کہ "میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ اس دنیا اور آخرت میں خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے میرے ساتھ ہوں گے" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ہیں۔

محبی مخدومی حضرت منشی ظفر احمد صاحب اس بزم محبوب کی ایک دلربا یادگار ہیں۔ وہ اکثر بیمار رہتے ہیں۔ میں خصوصیت سے احباب سے درخواست کرتا ہوں کہ ان کی صحت اور درازی عمر کے لئے دعا کرتے رہیں۔

غرض ان دوستوں کے درخواست کرنے پر آپ نے پھر کپور تھلہ کا سفر کیا۔ ایک زمانہ میں آپ کو افسر صیغہ تعلیم کی خدمات پر بھی بلانا چاہا تھا۔ یہ آپ کی ماموریت سے بہت پہلے کی بات ہے۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ لیکن جب خدا تعالیٰ نے آپ کو مامور فرمایا۔ اور بنی نوع انسان کی ہدایت کا کام آپکے سپرد کیا۔ تو کپورتھلہ کے چند نفوس نے (جو ریاست میں اپنے عہدوں کے لحاظ سے کوئی عظیم مرتبہ اور وجاہت نہ رکھتے تھے) اپنی محبت و اخلاص سے اپنے آقا کو دعوت دی تو اپنے غلاموں کی دعوت پر یہ عظیم الشان انسان جو ایک وقت ریاست کی طلبی پر بھی جانے سے انکار کر چکا تھا تیار ہو گیا۔ اور نہایت سادگی اور بے تکلفی سے اپنے خدام کے بلانے پر روانہ ہو گیا۔ اس کا مختصر تذکرہ احباب کپور تھلہ نے جو کیا ہے۔ وہ ذیل میں درج کرتا ہوں۔ (عرفانی)

فرمایا پہلی مرتبہ جب حضرت اقدس کپور تھلہ میں تشریف لائے۔ تو جو دن آپ کے آنے کا مقرر تھا۔ اس دن تمام سامان مہیا کرنے کے علاوہ آپ کے استقبال کے واسطے اسٹیشن اور راستہ میں آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ اس دن آپ کسی وجہ سے نہ آسکے۔ بلکہ دو دن بعد اچانک تشریف لائے اور ایک مسجد میں آکر ٹھیرے۔ ساتھ میں صرف ایک خادم شیخ حامد علی رضی اللہ عنہ تھے۔ مسجد کی چٹائی پر بے تکلف لیٹے رہے۔ اور بازار سے دودھ روٹی منگا کر کھا لیا۔

جب ہم کو خبر ملی۔ تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اپنے مکان پر لے آئے۔ جہاں بہت بڑا مجمع ہو گیا۔ جب ہم آپ کو **جشن ہال** دکھانے کے واسطے نکلے تو وہاں مہاراجہ صاحب اور انگریز مرد اور عورتیں کھیلنے میں مصروف تھیں۔ اور کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی جب مہاراجہ صاحب کو حضرت صاحب کے آنے کی خبر ہوئی تو انھوں نے اجازت دے دی کہ

مرزا صاحب آجاویں

چنانچہ آپ گئے اور ایک طرف کھڑے رہے اور کسی چیز کی طرف چنداں توجہ نہ کی۔ مہاراجہ صاحب نے دور سے حضرت صاحب کو دیکھ کر اپنا وزیر بھیجا کہ آپ سے ملاقات کرے مگر آپ پر ایسی حالت استغراق طاری تھی کہ وزیر نے تین دفعہ سلام کیا۔ مگر آپ اسی حالت میں محو رہے اور اس کی طرف توجہ نہ ہوئی۔

یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی انتہائی بے نفسی **سادگی** اور **بے تکلفی** اور اپنے خدام کی ہمدردی اور محبت کی شان کو ظاہر کرتا ہے۔ وہاں آپ کے قلب کی اس کیفیت کا بھی پتہ لگتا ہے کہ جس میں دنیا اور دنیا کے جاہ و جلال اور فوق البھڑک باتوں کے لئے کوئی جاذب باقی نہ رکھا گیا تھا۔ بادشاہوں کی عالی شان عمارتیں اور ان کے ساز و سامان اپنی طرف آپ کی توجہ کو نہ کھینچ سکتے اور نہ دربار شاہی کے اعلیٰ ارکان اپنی طرف متوجہ کر سکتے تھے۔

آں کس کہ بتو رسد شہاں را چہ کند

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قلبی کیفیت کا یہ شعر کس قدر اظہار کرتا ہے۔ جو آپنے فرمایا ؎

سخن نزدم مراز شہر یارے
کہ ہستم بر درے امید وارے

آپ اپنے احباب میں بیٹھ کر خوش تھے۔ اور مسجد کا بوریا دربار سلطانی کے مخملی اور قالین فرش سے زیادہ پیارا اور خوش آیند تھا۔

* * *

حضرت منشی ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ایکدفعہ ہم جالندھر میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ قریب ایک ماہ کے وہاں ٹھہرے۔ وہ شہر ایسا سخت دل اور لامذہب کہ وہاں رہنے سے تنگ آگئے۔ سب رفتہ رفتہ چلے گئے۔ ایکدن ہم نے بھی ارادہ کیا کہ اجازت چاہیں۔ اسی خیال میں تھے کہ حضرت اندر سے تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اکثر لوگ تو چلے گئے۔ اب آپ ہی رہ گئے ہیں۔ پنجابی مثل مشہور ہے۔

نواں نو دن پرانا سو دن

یعنی نیا دوست تو نو دن رہتا ہے اور پرانا سو دن رہتا ہے اس بات کو سن کر ہم خاموش ہو گئے اور رخصت لینے کا ارادہ چھوڑ دیا۔

ایسا ہی وہ کہتے ہیں کہ ایکدفعہ ہم حضرت کے ساتھ ایک باغ میں گئے جہاں کرنا کے پھول کھلے ہوئے تھے اور نہایت خوشبو دے رہے تھے۔ حضرت نے فرمایا

کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے

(کہنا ایک خاردار بوٹا ہوتا ہے جس میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی)

حضرت منشی محمد اروڑے خان صاحب اپنی اس محبت کا ذکر کرتے ہوئے جو ان کو حضرت کے ساتھ تھی اور ان مہربانیوں اور شفقتوں کی یاد میں جو حضرت ان پر اور احباب کپور تھلہ پر فرمایا کرتے تھے ہمیشہ چشم پر آب ہو جاتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی رلایا کرتے تھے کہ مینے کبھی کوئی چیز اپنے پاس رہنے نہیں دی۔ اپنی ضروریات کو بہت تنگ کر کے جو کچھ بھی ہو حضرت کی خدمت میں پہنچاتا۔ ہر ایک عمدہ شے جو مجھے ملتی اور میری قدرت میں ہوتی آپکے واسطے حاضر کرتا۔ آپ کی جدائی کا صدمہ ہے پر شکر ہے کہ میرے پاس اب کوئی شے یا روپیہ ایسا نہیں جس کو دیکھ کر میں یہ حسرت کر سکوں کہ مینے حضرت کو کیوں نہ دیا۔ میں نے کوڑی بھی اپنے پاس نہ رکھی۔ جب کبھی میں جاتا اور آپ کو اطلاع ہوتی تو فوراً مجھے بلا لیتے یا خود باہر تشریف لاتے صرف آپکے دیدار کا عاشق تھا۔ مجھے اب موت کا بھی ڈر نہیں رہا (منشی صاحب کی زندگی کا بیان ہے۔ عرفانی) مجھے موت کے خیال سے خوشی ہے کہ جب مرونگا تو حضرت سے ملاقات ہو جائیگی۔ مینے کبھی حضرت کی خدمت میں اپنے لئے کسی امر کیواسطے دعا کے لئے نہ کہا آپکے طفیل خود ہی خدا سے دعا مانگتا اور خدا میری امید بر لاتا۔

ایکدفعہ حضرت کی خدمت میں کسی کا ذکر کیا کہ وہ عیش و آرام میں پڑا ہوا ہے۔ **فرمایا** اس عیش و آرام کا انجام اچھا نہیں دیکھو ہوا جب تھوڑی تھوڑی چلتی ہے تو کیسی اچھی لگتی ہے مگر جب تیز ہو کر آندھی اور طوفان کا رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ تو پھر کیا نقصان پہنچاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام غیروں کی نظروں میں!

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد آپ کے متعلق غیر مذاہب کے لیڈروں اور اخبارات نے جن راؤں کا اظہار کیا ہے اس سے بھی آپکے مقام بلند کا پتہ لگتا ہے۔ میںنے مناسب سمجھا ہے کہ بعض اخبارات کے خلاصہ اس نمبر میں دے دوں۔ (عرفانی)

①

مرزا غلام احمد صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے اسوقت آپکی عمر ۲۲ یا ۲۴ سال کی ہوگی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ

جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے

کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مکالمہ میں صرف ہوتا تھا عوام سے کم ملتے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں ایک شب قادیان میں آپ کے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی۔ ان دنوں میں آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بہت ہی کم گفتگو کرتے تھے۔

{مولوی سراج الدین صاحب والد
ظفر علی خان صاحب زمیندار}

②

دیو سماج کے بانی اور پریسیڈنٹ اور ہم کئی ایک ان کے پیرووں جو ان دنوں اس مقام میں ہیں جناب مرزا غلام احمد صاحب کی وفات کی خبر کو نہایت افسوس کے ساتھ سنا ہے۔ ہمیں جہاں تک ان کی خوبیوں اور خصوصیتوں کو اور ہر طرح سے جاننے کا موقع ملا ہے ان کے لحاظ سے ہم لوگ انھیں تعظیم کا مستحق خیال کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے مذہبی لٹریچر کے خصوصیت سے عالم تھے۔ سوچنے اور لکھنے کی اچھی طاقت رکھتے تھے۔ کتنی ہی بڑی بڑی کتابوں کے مصنف تھے۔ مرزا صاحب اپنے خاص عقائد اور ارادے کے پکے تھے۔ اسلئے انھیں اپنی راہ میں بہت سخت مخالفتیں اور بدنامیاں سہنی پڑیں۔ ہم لوگوں نے نہایت دلی دکھ کے ساتھ معلوم کیا ہے ان کی وفات جیسے بہت افسوسناک اہم اور رنجیدہ موقع پر بھی ان کے کثرت سے مخالف اپنی نہایت ادنیٰ اور خراب خلق کا اظہار کرنے سے نہ رکے۔

{سکرٹری دیو سماج (جیون تت)}

③

مرزا صاحب کا وجود ان کے تین چار لاکھ مریدوں کے لیے نہایت مبارک تھا۔ کیونکہ انھوں نے اپنے مریدوں کی زندگی پر بہت غیر معمولی اثر ڈالا۔ اگرچہ ہم مرزا صاحب مرحوم کی تمام مذہبی تعلیم اور خیالات سے کلی اتفاق نہیں رکھتے اور نہ ان کے دعووں کو درست سمجھتے ہیں۔ لیکن ہم یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ بلحاظ لیاقت اور کیا بلحاظ اخلاق و شرافت ایک بہت بڑے پایہ کے انسان تھے۔ ان کے بہت سے مریدوں سے ہمارا تعارف ہے۔ اور ہم ان کی زندگی میں مرزا صاحب کی زندگانی کا اثر صاف طور پر دیکھتے ہیں۔ ہم ان کی وفات کو ایک قومی نقصان خیال کرتے ہیں۔ اور ان کے لکھوکھا مریدوں۔ دوستوں۔ رشتہ داروں اور مداحوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

(برہمو پرچارک)

④

مرزا صاحب کی وہ اعلیٰ خدمات جو انھوں نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں۔ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ مرزا صاحب نے مناظرے کا بالکل رنگ بدل دیا تھا۔ اور ایک لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے۔ ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریا اور بڑے سے بڑے پادری کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ جو بے نظیر کتابیں آریاؤں اور عیسائیوں کے مذہب کے رد میں لکھی ہیں اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دیئے ہیں۔ آج تک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو کہیں دیکھا نہیں سوائے اس کے آریا نہایت بد تہذیبی سے ان کے پیشوایان اسلام کو گالیاں دیں اور کوئی معقول جواب نہ اب تک دیا اور نہ دے سکتے ہیں۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھے۔ مگر ان کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب میں بلکہ بلندی ہند میں بھی اس قوت کا لکھنے والا نہ تھا۔ ایک پُرجذبہ اور قوی الفاظ کا انبار ان کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔ اور جب وہ لکھنے بیٹھتے تھے تو نپے تلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے اگرچہ مرحوم کے اردو علم ادب میں بعض بعض مقامات پر پنجابی رنگ اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے۔ تو بھی ان کا پر زور لٹریچر اپنی شان میں نرالا ہے۔ اور واقعی ان کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اور اردو علم ادب میں ترقی کرتے کرتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ سوائے خال خال مقام کے ان کا اردو لٹریچر ستھرا اور پاک ہو گیا ہے۔ مرحوم نے اگرچہ باقاعدہ تعلیم عربی ادب میں اور صرف نحو کی کہیں حاصل نہیں کی تو بھی اپنی خداداد ذہانت اور طبیعت کی جودت سے اتنی قابلیت عربی میں پیدا کر لی کہ وہ بے تکلف عربی لکھ لیتے تھے اور عربی بولنے میں ان کو ذرا تامل نہیں ہوتا تھا۔ مرزا صاحب نے جو نمایاں ترقی اپنے قوت بازو سے حاصل کی اس کی نظیر ہندوستان میں بہت کم ملیگی۔ ان کے مرید نہیں عامی اور جاہل ہی لوگ نہیں۔ بلکہ قابل لائق گریجوایٹ یعنی بی۔ اے۔ ایم۔ اے اور بڑے بڑے فاضل مولوی بھی ہیں۔ موجودہ زمانہ کے ایک مذہبی ہیڈ کیلئے یہ کچھ کم باعث فخر نہیں ہے کہ قدیم و جدید تعلیمیافتہ ان کے مرید بن جاویں۔ مرزا صاحب ترقی کے انتہائی عروج پر پہنچ گئے تھے اپنے ارادے کے پورے اور مستقل مزاج تھے۔ مرزا صاحب کا ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تعلیم یافتہ مریدین تک کچھ ایسا تھا کہ اُن کی ہر حرکت پر اُن کے ہر لفظ اور اُن کے ہر دعوے پر آمنا وصدقنا کی صدائیں اُن کے مریدوں میں بلند ہوتی تھیں۔ ان ہی آوازوں سے ہر شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مرحوم کو اپنی زندگی میں خدا کی طرف سے کتنی کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔

(یونین گزٹ)

عہدِ گزشتہ کی یاد

از حضرت شبنم سرحدی بی۔ اے

زچشمم چکد اشک ہائے عقیق   چو یاد آورم روزگارِ عتیق
یکے سوئے نیشِ فریقِ حسود   یکے سوئے نوشِ مسیحِ شفیق
ہر آنکس کہ گمراہ بود از ازل   شدہ مانعِ قاطعانِ طریق
ازاں شد دلِ ابن مریم ملول   خدا کرد شادش بجامِ رحیق
کہ یَاتُونَ مِن کُلِّ فَجٍّ عَمِیق   وَ یَاتِیکَ مِن کُلِّ فَجٍّ عَمِیق
نہ داند کسے سرِّ قانونِ حق   خدارا البراست رازہائش دقیق
شدہ پارہ پارہ دلِ ہر لعیں   چو زد بر حصارش خدا منجنیق
مسیحِ زماں گشت مخدومِ خلق   خدا شد رفیقش جہاں شد رفیق

بیا و در اطرافِ دار الاماں
ببیں نقشۂ کُلِّ فَجٍّ عَمِیق

⑤

یہ بات ہر طرح ثابت ہے کہ مرزا صاحب اپنی عادات میں سادہ اور فیاضانہ جذبات رکھنے والے تھے۔ ان کی اخلاقی جرأت جو انھوں نے اپنے مخالفین کی طرف سے سخت مخالفت اور ایذا رسانی کے مقابلہ میں دکھائی یقیناً قابل تحسین ہے صرف ایک مقناطیسی جذب اور نہایت خوشگوار اخلاق رکھنے والا شخص ہے۔ ایسے لوگوں کی دوستی اور وفاداری حاصل کر سکتا تھا۔ جن میں سے دو نے افغانستان میں جان دیدی (اب افغانستان میں تین اور مصر میں ایک اور شہید ہو چکے ہیں عرفانی) مگر مرزا صاحب کا دامن نہ چھوڑا۔ میں نے بعض پرانے احمدیوں سے ان کے احمدی ہونے کی وجہ دریافت کی تو اکثر نے سب سے بڑی مرزا صاحب کے ذاتی اثر اور انکے جذب اور کھینچ لینے والی شخصیت کو پیش کیا۔

(پادری والٹر ایم۔ اے سکرٹری وائی ایم سی)

پیارے حبیب کی پیاری باتیں

حضرت مسیح موعودؑ کی روحانی تربیت

ابتدائی ایام میں جبکہ ابھی آپنے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا ایک مرتبہ آپ لودہانہ میں مقیم تھے ایک مولوی صاحب نے آپ سے سوال کیا۔ کہ جس مقام پر اب آپ پہنچے ہیں کس قدر منزلیں آپنے سلوک کی طے کیں اور ہر ایک منزل پر آپنے کیا دیکھا؟

فرمایا:۔ اگر کوئی شخص ڈاک گاڑی پر سوار ہو اور کلکتہ سے پشاور کو جاوے۔ اور اس سے پوچھا جاوے کہ راستہ میں کونسا ٹیشن آیا۔ اور تونے کیا دیکھا۔ وہ کیا بتائے گا۔ اسیطرح اللہ تعالےٰ نے مجھے خود اپنے فضل سے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور ایسے طور پر کھینچ لیا اور ریاضت اور مشقت سے اتنی جلدی یہ منزل طے نہیں ہو سکتی۔ یہ تو جذبہ الٰہی ہے۔

پھر اس نے پوچھا کہ اس منزل میں پہنچکر آپکو کیا فائدہ حاصل ہوا؟

فرمایا

میرا ایمان اتنا قوی ہو گیا کہ میں تبلیغ حق میں کسی سے نہیں ڈرتا

یہ قوت ایمانی کیا ظاہر کرتی ہے؟ یہی کہ آپ مامور من اللہ تھے۔ کیونکہ کسی دوسرے کو یہ قوت نہیں مل سکتی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر توحید کا اتنا غلبہ تھا کہ دوسری تمام ہستیاں فی الواقع ہیچ تھیں۔ اور کوئی طاقت و قوت آپ کے اس جوش کو دبا نہیں سکتی تھی۔ پھر واقعات نے بتا دیا کہ آپ اس میدان کے کیسے مرد کامل ہوئے۔ اپنوں اور غیروں نے ملکر ہر قسم کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی کوشش کی۔ مگر آپ کا قدم آگے ہی بڑھتا گیا۔

حضرت مسیح موعود اور قومی ترقی

ایک مرتبہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم نے آپکے حضور جاپان میں تبلیغ اسلام کا سلسلہ چھیڑا۔ ان ایام میں آریہ لوگ ایک مشن جاپان میں بھیجنا چاہتے تھے اور ڈی۔ اے۔ وی کالج میں ایک جماعت جاپانی زبان کے لئے کھولی گئی تھی۔ ان تمام تحریکات کو پیش کرکے عرض کی گئی۔ اگر مناسب ہو تو سلسلہ حقہ کی اشاعت کے لئے جاپان میں تجویز کی جاوے۔ اس پر ایک لمبی تقریر فرمائی۔ جس کے بعض حصے یہ ہیں:۔

فرمایا:۔ ہر نبی اور رسول کا آخری زمانہ اس کے سلسلہ کی نصرت کا وقت ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا بہت سا حصہ مصائب اور تکالیف میں گزرا تھا۔ اور فتوحات اور نصرت کا زمانہ آپ کی عمر کا آخری حصہ ہی تھا ہم بھی اپنی عمر کا بہت سا حصہ طے کر چکے ہیں۔ اور زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ اب خدا کے وعدوں کے پورا ہونے کے دن ہیں۔ ہماری وہ حالت ہے کہ عدالت میں مدت سے کسی کا مقدمہ پیش ہے۔ اور اب فیصلہ کن دن قریب ہیں۔ کیا مناسب نہیں کہ اور طرف توجہ کرکے اس فیصلہ میں گڑبڑ ڈالیں۔ ہم چاہتے ہیں اس فیصلہ کو دیکھ لیں۔ اس ملک میں جو جماعت تیار ہوئی ہے۔ ابھی تک وہ بہت ہی کمزور ہے بعض ذرا سے ابتلا سے ڈر جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے سامنے انکار کر دیتے ہیں۔

فرمایا فی الحال موجودہ معاملات میں ہی توجہ اور دعا کی ضرورت ہے۔ اور ہم خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ کہ معاملہ دور جانے والا نہیں۔ ایسے معاملات میں آریوں کے ساتھ ہماری کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی۔ وہ قوم کو بڑھانا چاہتے ہیں اور ہم دنیا میں **تقویٰ اور نیکی کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔** اگر ہم آریوں کی نقل کرنا چاہیں تو ان کی پیروی ہمارے لئے منحوس ہوگی۔ اور ہم کو وحی کرنے والے گویا وہی ٹھیریں گے۔ اگر خدا تعالیٰ جاپانی قوم میں کسی تحریک کی ضرورت سمجھے گا۔ تو خود ہم کو اطلاع دے گا۔ عوام کے واسطے امور پیش آمدہ میں استخارہ ہوتا ہے۔ اور ہمارے واسطے نہیں۔ جب تک پہلے خدا تعالیٰ کا منشاء نہ ہو ہم کسی امر کی طرف توجہ نہیں کر سکتے ہیں۔ ہمارا مدار و مدار خدا تعالیٰ کے حکم پر ہے۔ انسان کی اپنی کی ہوئی بات میں اکثر ناکامی ہوتی ہے۔ اگر خدا چاہے گا تو اسی ملک میں طالب اسلام پیدا کر دے گا۔ جو خود ہماری توجہ کرا لے گا۔ اب آخری زمانہ میں ہم فیصلہ سننے کے انتظار میں ہیں۔ ہاں **سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ** میں اپنی جماعت کے سب لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ یہ دن بہت نازک ہیں۔ خدا سے ہراساں و ترساں رہو ایسا نہ ہو کہ سب کیا ہوا برباد ہو جائے۔ اگر تم دوسرے لوگوں کی طرح بنو گے۔ تو خدا تم میں اور ان میں کچھ فرق نہ کرے گا۔ اگر تم خود اپنے اندر فرق پیدا نہ کرو گے۔ تو خدا بھی تمہارے اندر کچھ فرق نہ رکھیگا۔ عمدہ انسان وہ ہے۔ جو خدا کی مرضی کے موافق چلے۔ ایسا انسان ایک بھی ہو۔ تو اس کی خاطر ضرورت پڑنے پر خدا ساری دنیا کو بھی غرق کر دیتا ہے۔ لیکن اگر ظاہر کچھ اور ہو اور باطن کچھ اور تو ایسا انسان منافق ہے اور منافق کافر سے بدتر ہے۔ سب سے پہلے دلوں کی تطہیر کرو۔ مجھے سب سے زیادہ اس بات کا خوف ہے۔ ہم نہ تلوار سے جیت سکتے ہیں۔ نہ کسی اور قوت سے

ہمارا ہتھیار صرف دعا ہے

اور دلوں کی پاکیزگی۔ اگر ہم اپنے آپ کو درست نہ کرینگے تو ہم سب کے سب ہلاک ہوں گے۔ اگر خدا نہ چاہے تو جاپان میں کیا رکھا ہے۔ ہاں زبان سیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ داشتہ آید بکار اگر خدا کا ہمیں حکم ہو تو بغیر زبان سیکھنے کے آج ہی چل پڑیں۔ ہم ایسے معاملات میں کسی مشورے پر نہیں چل سکتے۔ خدا کی منشاء کے قدم بقدم چلنا ہمارا کام ہے

رفع القرآن فی زمان المسیح

۲۸ ستمبر ۱۹۰۱ء کو قبل دوپہر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک ترک صاحب نے بعض سوالات اس کے جوابات کے ضمن میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے آثار میں یہ بھی رکھا تھا کہ اسوقت قرآن مجید اٹھایا جائے گا۔ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قرآن مجید کیسے اٹھایا جائیگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے عقلمند سمجھتا تھا۔ اسوقت عام حالت جو ہے وہ نظر کرکے دیکھ لو کہ قرآن مجید اٹھ گیا ہے یا نہیں؟ یہودیوں کی حالت بھی مسیح کے وقت ایسی ہی تھی کہ ان میں قشر التوحید رہ گیا تھا۔ مغز نہیں۔ اب مسلمانوں کی بھی وہی حالت ہو رہی ہے۔ توحید کے مراتب ہوتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ لا الٰہ الا اللہ کہدیا۔ اور کہدیا کہ بس توحید کے تمام مراتب طے کر چکے۔ اتنا تو شیطان بھی کہہ دیتا ہے۔ توحید کا اقرار عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی امر اللہ تعالےٰ کے قول کے خلاف نہ ہو۔ اور انسان اللہ تعالیٰ کی محبت میں فانی ہو جاوے۔

شرک کی بھی قسمیں ہیں۔ شرک الجلی اور شرک الخفی شرک الجلی کی مثال عام ہے۔ بت پرستی وغیرہ۔ شرک الخفی یہ ہے کہ انسان کسی شے کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی طرح کرے اور اللہ تعالیٰ کیطرح محبت کرے یا خوف کرے یا اسپر توکل کرے۔ غرض کوئی جو اللہ تعالیٰ کے لئے جائز اور درست ہے کسی مخلوق میں تجویز کرنا یہ شرک ہے۔ شرک جلی کرنیوالے لوگ بتوں میں قدرت ایمان اور بتوں میں شفاعت کا مرتبہ یقین کرتے ہیں اور انھیں اذن کے ماتحت نہیں سمجھتے۔ بس بڑا بھاری نقص انسانوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رفع قرآن ہو گیا ہے اور وہ یہی ہے کہ توحید درست نہیں رہی اور ایمانی اور عملی حالت بالکل گر گئی ہے۔

تورات اور قرآن کریم کی تاثیرات

تورات کے ذریعہ کامل طور پر تزکیہ نفس نہیں ہوتا یہودیوں کی سنگدلی اور ان کی دوسری بد اخلاقیاں پورے طور پر دور نہیں ہوتیں۔ قرآن مجید نے تزکیہ نفوس کرکے دکھا دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کے متعلق یہ دعویٰ قرآن مجید نے کیا ویزکیھم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پاک کرتا ہے۔ اس لئے یہ فرمایا کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ یعنی اگر چاہتے ہو کہ اللہ تعالےٰ کے محبوب ہو جاؤ تو اس کے لئے یہ راہ ہے میری اتباع کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الرسل ہیں۔ محض عناد اور حق پوشی ہے کہ آپ کی طرف توجہ نہ کی جاوے۔ قرآن کریم کی تاثیرات دائمی ہیں۔ ہر زمانے میں اس کے آثار اور برکات پائے جاتے ہیں۔

یہ سلسلہ بھی اسی غرض سے اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے تاکہ ثابت ہو کہ

قرآن مجید کے برکات جاری ہیں

کیا تورات کے برکات کا نمونہ اسوقت پایا جاتا ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری باتیں

اس عنوان کے نیچے جہاں تک ممکن ہے وہ امور درج کرنا چاہتا ہوں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں آخری حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی اسکے بعد وہ کام پھر آپ نہیں کرسکے۔ یہ ایک نہایت ہی دلچسپ مضمون ہے اور مجھے یقین ہے کہ قارئین کرام اس سے ایک ایمانی بصیرت حاصل کرینگے۔ (عرفانی)

(۱)

قادیان میں آخری وحی

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲۶ اپریل ۱۹۰۸ء کو لاہور تشریف لے گئے۔ اسی روز بوقت چار بجے صبح آپ پر یہ وحی ہوئی۔ جو آپ کی وفات پر دلالت کرتی تھی۔

مباش ایمن از بازیٔ روزگار

اس کے بعد قادیان میں کوئی موقعہ نہ ملا کہ آپ پر اللہ تعالےٰ کا کلام نازل ہو۔ اس لئے قادیان میں یہ آخری وحی تھی۔

(۲)

سب سے آخری وحی

لاہور میں آپ پر اللہ تعالیٰ نے سب سے آخری کلام جو نازل فرمایا وہ ۱۷ مئی ۱۹۰۸ء کو ان الفاظ میں ہوا:۔

انی مع الرسول اقوم

یہ اس دن کا واقعہ ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور کی تعلیمیافتہ جماعت اور رؤساء لاہور کو تبلیغ فرمانا چاہتے تھے۔ ۱۶ مئی ۱۹۰۸ء کی رات کو آپکی طبیعت ناساز ہوگئی۔ اور ۱۷ کی صبح کو آپ میں طاقت نہ تھی کہ تقریر کرسکیں۔ لیکن جب یہ الہام ہوا تو آپ وعدہ الٰہی کے موافق طاقت پاکر کھڑے ہوئے اور ایک زبردست تقریر فرمائی۔ اس سے پہلے جو الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہوئے وہ بھی آپ کی وفات پر دلالت کرتے تھے **الرحیل ثم الرحیل** **ڈرو مت مومنو**۔

(۳)

حضرت اقدس کی آخری تقریر لاہور میں

لاہور میں جو تقریر آپ نے سب سے آخری اور جو ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو قبل عصر فرمائی۔ اس کے بعد آپ کو کسی تقریر کا موقع نہیں ملا۔ مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے حضرت اقدس کی خدمت میں بذریعہ اپنے کسی خاص قاصد ایک خط بھیجا جس میں بعض مسائل مختلفہ فیہ پر زبانی گفتگو کرنے کی اجازت چاہی۔ اور وعدہ کیا کہ میں بہت نرمی اور پاس ادب سے گفتگو کروں گا۔ حضرت اقدس نے قبل عصر حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب سے ان سے متعلق دریافت کیا کہ وہ اخلاق کے کیسے ہیں مغضوب الغضب اور فوراً جوش میں آجانے والے یا بھڑک اٹھنے والے طبیعت کے تو نہیں ہیں؟ اس کے جواب میں بعض اصحاب نے عرض کیا کہ حضور ایسے تو نہیں۔ ان کی صحبت میں نرمی پائی جاتی ہے۔ البتہ اگر بعض عوام کا ہجوم اُن کے ہمراہ ہوگا تو اندیشہ ہے۔

حضرت اقدس خود چونکہ پیغام صلح لکھنے میں مصروف تھے۔ اور فرصت نہ تھی۔ اسلئے حضرت اقدس نے مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب سے فرمایا کہ آپ ان کے خط کا جواب لکھدیں۔ اصل خط ان کا ہم بھیجدینگے۔ اور بے شک نرمی اور آہستگی سے ان سے ان مسایل میں گفتگو کریں۔ البتہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے ہمراہ سوا چار معزز اور شریف آدمیوں کے اور زیادہ ہجوم نہ ہو۔ اور آپ بھی علیحدگی میں بیٹھ کر گفتگو کریں۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

اسی دوران میں کسی دوست نے ان کا یہ عقیدہ پیش کیا کہ وہ حضرت عیسےٰ کو سولی پر لٹکائے جانے کے ہی قائل ہیں۔ اور وہ اپنے اس دعوے کی دلیل میں یہ آیت کریمہ **اذ کففت عنك بنی اسرائیل** الخ پیش کرتے ہیں اس پر حضرت اقدس نے

فرمایا

خلاف تواتر امور محسوسہ مشہودہ کی پروا نہ کرکے ایسی ایک راہ اختیار کرنا جس کی کوئی بھی دلیل نہیں۔ یہ عقل اور ایمان کے سراسر خلاف ہے، میں کوئی نئی بات پیش نہیں کرتا۔ اور نہ ہی میں کسی ایسی بے دلیل بات کے منوانے کی کوشش کرتا ہوں۔ جس کا قوی ثبوت اور بین شہادت کے واسطے اسوقت لاکھوں انسان موجود ہیں۔ قوموں کی قومیں اپنی متواتر اور متفقہ شہادت پیش کررہی ہیں۔ اگر کسی کو کوئی شک شبہ ہو تو یہودی موجود ہیں۔ ان سے پوچھ لو کہ کیا وہ بھی اسی بات کے قائل ہیں جو تم پیش کرتے ہو۔ دیکھو تواتر قومی کو بغیر کسی زبردست دلیل اور حجت نیرہ کے توڑ دینا۔ اور اس کی پروا نہ کرنا یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔

تعجب کی بات ہے۔ اور یہ کیونکر ہوسکتا تھا کہ کسی دوسر آدمی کو پکڑ کر خواہ مخواہ بے قصور سولی پر چڑھا دیا جاوے اور وہ چوں بھی نہ کرے۔ اور دہائی بھی نہ دیوے کہ میں تمہارا ساتھی ہوں۔ مجھے کیوں بے گناہ سولی پر چڑھاتے ہو۔ تمہارا اصل ملزم تو بچ گیا۔ اور میں جو کہ تمہارا ہی ساتھی ہوں۔ یہ میرا نام۔ فلانے ماں باپ کا بیٹا ہوں۔ یہ میرے رشتہ دار ہیں۔ مجھے کیوں مارتے ہو۔ جان کا معاملہ اور لعنتی موت کا نشانہ بننا ہے۔ اصل ملزم بچا جاتا ہے۔ ایک بے گناہ۔ بے قصور۔ بے تعلق آدمی سولی پر چڑھایا جاتا ہے۔ اور پھر تعجب یہ کہ بولتا تک نہیں۔ یہ بھید تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

علاوہ وحی اور علم غیب کے جو ہمیں خدا نے محض اپنے فضل سے تفضل سے بخشا۔ اور مکالمہ مخاطبہ کا خاص فیضان جاری کرکے ہمیں اس نے ان امور میں حقیقی علم عطا کیا۔ ہمارا ضمیر اس کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کرتا کہ اتنا بھاری تواتر اور کروڑوں انسانوں کی متفقہ شہادت بالکل غلط ہے۔ اور یہ سب جو سمجھے بیٹھے تھے ایک وہم تھا اور خیال غلط۔ دیکھو ع

تا نہ باشد چیزکے مردم نہ گویند چیزہا

میں نہیں سمجھتا کہ خدا کو ایسی کمزوری کی کیا ضرورت تھی۔ کیا وہ اعلیٰ روس الاشہاد مسیح کو بچانے پر قادر نہ تھا کہ اس کو ایسا ظلم روا رکھنا پڑا۔ اور ایک بیگناہ انسان کی جان خواہ مخواہ ہلاکت میں ڈالی

قرآن اور حدیث کے خلاف ایک نئی راہ نکال کر پیش کرنا اس کا بار ثبوت مدعی کے ذمہ ہے

میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ یہ سب امور ایسے نہیں۔ کہ آسانی سے ان کو رد کیا جاوے۔ قرآن شریف میں صرف لفظ توفی ہی کو لے کر دیکھ لو کہ بھلا کسی مقام پر اس کے معنے بجز موت کے کچھ اور بھی ہیں۔ یا مع جسم عنصری آسمان پر اٹھائے جانے کے ہیں؟ یہی توفی کا لفظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آیت کریمہ اما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینك غور کرکے دیکھو تو پھر یہی توفی کا لفظ ہے۔ جو حضرت یوسف کے حق میں وارد ہے پھر بھی ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ برخلاف نص قرآنی کے اور تمام انبیاء کے کیوں حضرت عیسیٰ کو یہ خصوصیت دیجاتی ہے

کتب احادیث میں قریباً تین سو مرتبہ یہی لفظ توفی کا آیا ہے لیکن کہیں بھی بجسد عنصری آسمان پر اٹھائے جانے کے معنے نہیں ہیں۔ جہاں دیکھو یہ لفظ موت ہی کے معنوں میں وارد ہوتا ہے۔

اصل میں جو شخص طالب حق نہیں۔ اور محض ایک قسم کی شیخی اور تکبر کے واسطے ایسی خواہش کرتا ہے۔ اس سے

مجھے بدبو آجاتی ہے

میں ایسے آدمی پر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا جس کو حق کی سچی پیاس نہیں۔ اور جس کی تڑپ خدا اور رسول کے دین کے واسطے نہیں۔ بلکہ نفس کا بندہ اور نفس کی عزت و جاہ کے واسطے مرتا ہے

میرے پاس اگر کوئی شخص طلب حق اور خدا جوئی کی ہوس اور سچی تڑپ لے کر آتا ہے۔ تو مجھے اس سے ایک قسم کی

خوشبو آجاتی ہے

اور پھر میں اس کے واسطے اپنے بازو بچھا دیتا ہوں۔ اور اسکو اپنی آنکھوں سے قبول کرتا ہوں۔ اور جہاں تک مجھ سے بن پڑتا ہے۔ میں اس کی خدمت کو اپنا فخر سمجھتا ہوں۔ مگر ایک ناپاک دل انسان جس میں شرارت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اور وہ حق جو نہیں بلکہ دنیا طلب ہوتا ہے تو ہمیں اس سے بدبو آجاتی ہے اور پھر اس کے بعد ہم اس سے کلام کرنا پسند نہیں کرتے۔ خدا نے جس بات پر ہمیں قائم کیا ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں حضرت مسیح موت کو صراحت سے ایک نہیں۔ بلکہ بیسیوں مقام پر ظاہر کردیا ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضل سے شہادت دیدی کہ اس کو مردوں کے ذیل میں دیکھا۔ اور کوئی امتیاز اس میں اور اس غیروں میں بیان نہیں فرمایا۔

آج ہندوستان میں ایک لاکھ سے بھی زیادہ مرتد اسی بات سے ہوچکا ہے کہ نام کے مسلمانوں کے عقائد غلط سے عیسائیوں نے مسیح کی فضیلت ثابت کرکے اپنے مذہب کو ناواقف لوگوں کے سامنے اسے پیش کیا۔ اور ان کے اپنے ہی مقتدات میں سے ان پر ایسے ایسے الزام دیئے۔ جن کا جواب ان میں سے کسی سے بھی نہ بن پڑا۔ مگر یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے اس کی کسی ہی خصوصیت کو قائم نہیں

رہنے دیا۔ بلکہ ان کی ہر بات کا جواب دے کر خود ان کو ہی خوار کیا ہے۔

نصاریٰ نے ایک عقیدہ پکڑا تھا کہ حضرت عیسیٰ چونکہ بن باپ کے ہیں۔ لہٰذا یہ خصوصیت ان کی خدائی کی پختہ دلیل ہے اور یہ ان کا مسلمانوں پر ایک بھاری اعتراض تھا۔

اور اس سے وہ حضرت عیسٰےؑ میں ایک خصوصیت ثابت کر کے ان کی خدائی کی دلیل پکڑتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسکے جواب میں ان کا یوں منہ توڑا۔ اور اس کا رد یوں بیان کیا کہ ان مثل عیسٰے عند اللہ کمثل آدم الخ یعنی اگر حضرت کی پیدائش اعجازی رنگ میں پیش کر کے تم اس کی خدائی کی دلیل ٹھیراتے ہو۔ تو پھر آدم بطریق اولےٰ خدا ہونا چاہیئے کیونکہ اس کا نہ باپ نہ ماں۔ اس طرح سے اول آدم کو تم خدا مان لو پھر اس بات کو عیسٰے کی خدائی کی دلیل ٹھیرانا۔ پس اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اس استدلال کو غلط ثابت کر دیا۔ غرض نصاریٰ کے مسیح بن باپ کی پیدائش سے ان کی خدائی دلیل اور استدلال پکڑنے کو اللہ تعالےٰ نے

آدم کی نظیر

پیش کر کے باطل ٹھیرا دیا۔

ایک دوسری دلیل نصاریٰ نے مسیح کی خدائی کی یہ پیش کی تھی کہ وہ زندہ ہیں۔ اور مع جسم عنصری آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں۔ اور اس امر سے انھوں نے مسیح کی ایک خصوصیت ثابت کر کے اسی کو ان کی خدائی کی ایک زبردست دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اب ہمیں کوئی بتا دے کہ اگر توفّی کے معنی مع جسم عنصری کے آسمان پر اٹھائے جانے کے ہیں اور اس کے معنی حضرت کے لئے موت کے نہیں۔ تو پھر نصاریٰ کے اس اعتراض کا قرآن نے کہاں جواب دیا ہے؟ یا جس طرح ان کی دلیل اول کو ایک نظیر پیش کر کے توڑا تھا۔ اسی طرح کہیں سے ہمیں یہ بھی نکال کر بتا دو کہ حضرت مسیح سے پہلے یا پیچھے اور کوئی ایسی بھی نظیر پائی جاتی ہے اور اگر کوئی نظیر نہیں تو یاد رکھو کہ

اسلام آج بھی گیا اور کل بھی گیا

نصاریٰ تو تم کو خود تمہارے عقیدہ سے ملزم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تم حضرت عیسٰے کو زندہ اور جسم عنصری سے آسمان پر مانتے ہو۔ حالانکہ تمہارے رسول خاک مدینہ میں مدفون ہیں۔ اب بتاؤ کون افضل ہے عیسٰے یا محمدؐ؟ افسوس کہ ان نام کے مسلمانوں پر کہ اپنی ناک کاٹنے کے واسطے آپ ہی دشمن کے ہاتھ میں چھری دے دیتے ہیں

یاد رکھو اگر خدا تعالیٰ کا یہی منشا ہوتا۔ اور قرآن و حدیث میں حقیقتاً یہی امر اس نے بیان کیا ہوتا کہ واقع میں حضرت مسیح زندہ ہیں اور وہ مع جسم عنصری آسمان پر بیٹھے ہیں۔ اور یہ عقیدہ بھی حضرت مسیح کے بن باپ کے پیدا ہونے کی طرح خدا کے نزدیک سچا عقیدہ ہوتا۔ تو ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھی کوئی نہ کوئی نظیر پیش کر کے قوم نصاریٰ کو اس امر کے حضرت عیسٰے کی خدائی کی دلیل پکڑتے بند اور لاجواب کر دیتا؟ مگر خدا تعالےٰ کے اس امر کی دلیل پیش نہ کرنے سے صاف عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز ہرگز یہ منشاء نہیں۔ جو تم محض افترا سے خدا کے کلام پر تھوپ رہے ہو۔ بلکہ توفّی کا لفظ خدا تعالےٰ نے محض موت ہی کے معنوں کے واسطے وضع کیا ہے۔ اور یہی حقیقت اور اصل حال ہے۔

دیکھو ہر ایک خصوصیت جو کہیں خاص شخص کے متعلق پیدا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ضرور جواب دیا ہے۔ مگر کیا وجہ اتنی بڑی خصوصیت کا کوئی جواب نہ دیا۔ خصوصیت ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے شرک پیدا ہوتا ہے۔ فقط

یہ حضرت اقدس کی زندگی میں آپ کی آخری تقریر ہے۔ جو آپ نے بڑے زور اور خاص جوش سے فرمائی۔ دوران تقریر میں آپ کا چہرہ اس قدر روشن اور درخشاں ہو گیا تھا کہ حضرت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر میں ایک خاص اثر اور جذب تھا۔ رعب ہیبت اور جلال اپنے کمال عروج پر تھا۔ بعض خاص خاص تحریکات اور موقعوں پر حضرت اقدس کی شان دیکھنے میں آئی ہوگی جو آج کے دن تھی۔ اس تقریر کے بعد آپ نے کوئی تقریر نہیں سنائی۔

(۴)

آخری نظم

از ڈاکٹر احمد حسین صاحب لائلپوری جو ۱۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدس علیہ السلام کے حضور پڑھی گئی اس نظم کے بعد کوئی نظم حضرت اقدس کے حضور نہیں سنائی گئی۔!

یا ربی قادیاں میں میرا مزار ہووے
اور میرا ذرہ ذرہ اس پر نثار ہووے
عبدالکریم یارب جس جا ہوا ہے مدفوں
وہ خاک پاک میری دار القرار ہووے
اس میں مسیح آیا۔ جس نے خدا دکھایا
اس پر خدا کی رحمت بس بے شمار ہووے
آیا ہے تو مسیحا چودہ صدی کے سر پر
آمد پہ کیوں نہ تیرے فصل و بہار ہووے
تیرے لئے خدا نے لاکھوں نشاں دکھائے
پھر کیوں نہ تیرا دشمن ہر جا پہ خوار ہووے
قرآں میں خدا نے یہ لکھ دیا ہے پڑھ لو
گستاخ حق کا دشمن ہر جا پہ خوار ہووے
قرآں کتاب رحماں سکھلائے راہ عرفاں
اس کی طفیل سے دل حق پر نثار ہووے
قرآن نے بتائی عیسٰے کی خبر ہم کو
اس کے نزول کا پھر کیوں انتظار ہووے
شیطاں کو یا الٰہی دکھلا دے مار کر کے
مشکل یہی ہے باقی کشتی یہ پار ہووے
اے مہدی و مسیحا بہتر خدا سے دعا کر
رحمت خدا کی ہم پر بس بے شمار ہووے
یا ربی قادیاں میں میرا مزار ہووے
اور میرا ذرہ ذرہ اس پر نثار ہووے

(۵)

آخری نماز جو آپ نے ادا کی

۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کی صبح کو جب فجر کی نماز کی اذان کان میں پڑی تو پوچھا کہ "کیا صبح ہو گئی؟" جواب ملنے پر نماز فجر کی نیت باندھی اور ادا کی۔

(۶)

آخری الفاظ

وہ الفاظ جن پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے رفیق اعلےٰ سے جا ملے یہ تھے:—

اے میرے پیارے! اے میرے پیارے!!

اے میرے پیارے اللہ۔ اے میرے پیارے اللہ۔

(۷)

آخری تحریر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۲۵ر مئی ۱۹۰۸ء کی شام کو **پیغام صلح** کا مضمون ختم کیا۔ اور حالت مرض میں قلم دوات منگوا کر کچھ لکھنا چاہا۔ اور کچھ لکھا بھی۔ مگر افسوس وہ پڑھا نہیں گیا۔

(۸)

اندرون خانہ میں حضرت اقدس کی آخری تبلیغی تقریر

۲۳ر مئی ۱۹۰۸ء کو بعد نماز عصر چند ہندو مستورات حضرت امام الزمان مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در دولت پر آئیں اور بیان کیا کہ **ہم مہاراج کے درشن کے واسطے آئے ہیں**۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں اطلاع کی گئی۔ چنانچہ آپؑ نے نہایت لطف اور مہربانی سے ان کو اجازت دی۔ اور وہ گھر میں جا کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت اقدس چونکہ ان دنوں مضمون رسالہ پیغام صلح کے لکھنے میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ اب درشن ہو گئے اب تم جاؤ مگر انھوں نے عرض کی کہ ہم کو آپ کوئی وعظ سنا دیں۔ ہم اسی واسطے حاضر ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان کے اصرار اور اخلاص کی وجہ سے ان کو یوں مخاطب کیا (جو کہ آپ نے ۲۴ر مئی ۱۹۰۸ء کو قبل عصر بیان فرمایا):—

فرمایا

اصل بات یہ ہے کہ آپ لوگوں میں اگر دو ایک باتیں نہ ہوں تو آپ لوگ آریہ وغیرہ لوگوں سے سو درجہ بہتر اور اچھے ہو۔ ان میں سے پہلی بات تو یہی ہے کہ خدا کو جو کہ ہمارا تمہارا پیدا کنندہ اور پروردگار حقیقی ہے اس کو وحدہٗ لاشریک جان کر اسی کی عبادت کرو اس کی عبادت میں کسی دوسرے دیوی۔ دیوتا پتھر یا پہاڑ۔ سانپ یا کسی دوسرے ہیبت ناک درندے گنگا مائی یا جمنا۔ کوئی درخت ہو یا نباتات غرض کوئی بھی بت اس کے ساتھ شریک نہ کیا جاوے۔ اور اسے ایک اکیلا خدا کر کے پوجا کرو یہ جو تم لوگوں نے ۳۳ کروڑ دیوتا بنا رکھے ہیں۔ ان کی کیا ضرورت تھی۔ اور یہ کیوں بنائے گئے ہیں؟ اتنے خدا تمام دنیا میں اور قوم کسی کے بھی نہیں ہیں۔

(حضرت اقدس نے فرمایا اتنا بیان سن کر
ان مستورات نے طلب حق کی غرض سے عرض کی
کہ یہ بات آپ ہمیں سمجھا دیں)

اسپر حضرت اقدس نے فرمایا۔ کہ دیکھو گدا دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو نر گدا دوسرے خر گدا۔ نر گدا کا تو قاعدہ ہوتا ہے کہ ایک آواز کی اور اگلے دروازے پر چل دیئے۔ کسی نے کچھ دے دیا تو ٹھیک ورنہ خیر۔ بلکہ ایسے لوگوں کو بعض لوگ پیچھے سے آ کر بھی

خیرات دیتے ہیں۔ اُن کا کام صدا کرنا اور آگے بڑھنا ہوتا ہے۔ مگر برخلاف اس کے خر گدا دھرنا مار کر بیٹھے رہتے ہیں۔ جب تک اُن کا سوال پورا نہ کیا جاوے۔ اور آخر اُسے گدا کو ملتا ہے۔ اور ضرور ملتا ہے۔ یہی حال خدا سے مانگنے والوں کا ہے۔ خدا سے بھی وہی پاتے ہیں جو خر گدا بن کر خدا ہی کے دروازے کے ہو رہتے ہیں۔ اور پکے ہو کر استقلال سے خدا کے حضور سے مانگتے ہیں۔ غیر مستقل اور جلد باز جو جلدی ہی نا اُمید اور بدظن ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ صدق اور ثبات کے ساتھ خدا کی ذات پر کامل ایمان اور یقین بھی ضروری ہے

یہ امر صدق اور اخلاص کے خلاف ہے کہ جلدی ہی خدا سے مایوس ہو کر اوروں کی طرف اپنی حاجت کو لے جانا۔ اور دربدر مارے مارے پھرنا۔ کبھی کسی بُت کے حضور التجائیں کرنا۔ کبھی کسی دیوتا۔ پتھر پہاڑ جنگل کے درخت یا گنگا مائی کی طرف حاجت لے جانا۔ اس امر کی دلیل ہے کہ ایک خدا پر بھروسہ نہیں۔ اور اس کو ساری حاجتوں کا پورے کرنے والا ہونے پر کامل ایمان نہیں۔ یا جلدی سے تھک کر اُس سے نا اُمید ہو کر اوروں کی طرف دامن حاجت پھیلانا خر گدائی کے بالکل خلاف ہے

ایک چھوڑ کر دوسرا اور دوسرا چھوڑ کر تیسرا خدا بنانا۔ اور اُن سے اپنی حاجتیں چاہنا بالکل غلط راہ ہے۔ بلکہ چاہیئے ایک کو پکڑو۔ اور اُسی سے اپنی ساری حاجتیں چاہو۔ اور وہ سب کا حاجت روا ہے۔ شرط صبر اور استقلال اور اور ایمان ہے

(اتنا حصہ سُن کر اُنھوں نے عرض کی کہ بات تو سچی ہے۔ مگر حضرت اقدس کی منشاء کو پا کر کہ حضرت اقدس چاہتے ہیں کہ چلی جائیں پھر نرمی سے عرض کی کہ ہم دور سے آئے ہیں۔ اور پنکھا ہلانے کی خواہش ہے۔ اور صرف درشن اور باتیں سننے کو آئی ہیں۔ اب فرمائیے کہ پرمیشر سے پرارتھنا کیسے کیا کریں۔)

فرمایا

پرارتھنا بے شک اپنی زبان میں کر لیا کرو۔ کہ اے سچے اور واحد خدا۔ اے کہ تو ساری مخلوق کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے۔ اور سب کے حالات سے واقف ہے تجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ اور ہر ذرہ تیرے تصرف میں ہے۔ تو جو چاہے سو کر سکتا ہے۔ تو ہمیں گناہ اور بھرشٹ کی زندگی سے نکال کر سیدھا راستہ بتا۔ ایسا ہو کہ ہم تیری مرضی کے موافق ہو جاویں۔ بدیوں سے ہمیں بچا۔ بدیاں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم سے دور ہو جاویں ان کا تو آپ ہی علاج فرما۔ ان کا دور کرنا ہماری طاقت سے دور ہے۔ اور ایسا ہو کہ ہم تیری رضا کی راہوں پر چلکر ہمیشہ کی نجات اور سکھ کی وارث ہو جاویں۔ اور کوئی دکھ ہمارے نزدیک نہ آوے پہلے بدکرموں کے پھل سے بچا اور آئندہ نیک کرموں کی توفیق عطا فرما۔

اس طرح خدا سے سچے دل اور نیک نیتی سے خر گدا کی طرح پکی بن کر اُسی سے نہ کسی اور سے دعا کیا کرو۔ اور سب دیوی دیوتے ترک کر دو۔ آخر اس طرح کی سچی تڑپ اور دعا سے ایسا دن آجاوے گا کہ دلوں کے سب گند دھو دیئے جاویں گے اور شانتی اور سکھ کی زندگی شروع ہو جاوے گی۔ فقط

فرمایا

ان عورتوں کی حالت سے ٹپکتا تھا کہ شریف اور مخلص عورتیں تھیں لاہور جیسے شہر میں ایسی شریف اور نیک عورتوں کا وجود غنیمت ہے۔ فقط

(۹)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری مکتوب

مندرجہ اخبار عام ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء

اخبار عام کے لئے یہ ہمیشہ فخر رہے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری وقت تک اس کے خریدار تھے۔ اور یہ عزت و شرف بھی اس کے حصہ میں آیا کہ آپ کا آخری مکتوب اسی روز شائع ہوتا ہے جبکہ حضور علیہ السلام اپنے مولیٰ کریم کی طرف مرفوع ہو چکے تھے۔ اس خط کی تحریر اور اشاعت کا باعث یہ ہوا کہ:-

۱۷ر ماہ مئی ۱۹۰۸ء کو بمقام لاہور جلسۂ دعوت پر جو تقریر حضرت اقدس نے فرمائی تھی۔ اس تقریر کی بنا پر یہ غلط خبر پرچہ اخبار عام ۲۳ر مئی ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی کہ آپ نے اس جلسۂ دعوت میں دعوائے نبوت سے انکار کیا ہے۔ تو اسی روز حضور نے ایڈیٹر اخبار مذکور کی طرف ایک خط لکھا جس میں اس غلط خبر کی تردید کی۔ چنانچہ حضرت اقدس کا وہ خط یہ ہے:-

جناب ایڈیٹر صاحب! اخبار عام۔ پرچہ اخبار عام ۲۳ر مئی ۱۹۰۸ء کے پہلے کالم کی دوسری سطر میں میری نسبت یہ خبر درج ہے۔ کہ گویا میں نے جلسۂ دعوت میں نبوت سے انکار کیا۔ اس کے جواب میں واضح ہو کہ اس جلسہ میں میں نے صرف یہ تقریر کی تھی۔ کہ میں ہمیشہ اپنی تالیفات کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہوں۔ اور اب بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے۔ کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں۔ کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں۔ اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ یہی لکھتا آیا ہوں۔ کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں۔ اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔ اور جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا کی ہمکلامی سے مشرف ہوں وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے۔ اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے۔ اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا۔ اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو۔ دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا۔ اور انہیں امور کی کثرت کی وجہ سے **اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے۔ تو میں کیوں کر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں۔ اس وقت تک جو اس دنیا سے گذر جاؤں۔** مگر میں ان معنوں سے نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں۔ یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں۔ میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن کریم نے پیش کیا۔ اور کسی کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔ سو میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں۔ کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیشگوئی کرنے والا اور بغیر کثرت کے یہ معنی تحقیق نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ صرف ایک پیسہ سے کوئی مالدار نہیں کہلا سکتا۔ سو خدا نے مجھے اپنے کلام کے ذریعہ بکثرت علم غیب عطا کیا ہے۔ اور ہزارہا نشان میرے ہاتھ پر ظاہر کئے ہیں اور کر رہا ہے۔ میں خود ستائی سے نہیں بلکہ خدا کے فضل اور اس کے وعدہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ اگر تمام دنیا ایک طرف ہو اور ایک طرف صرف میں کھڑا کیا جاؤں۔ اور کوئی ایسا امر پیش کیا جائے۔ جس سے خدا کے بندے آزمائے جاتے ہیں۔ تو مجھے اس مقابلہ میں خدا غلبہ دیگا۔ اور ہر ایک پہلو کے مقابلہ میں خدا میرے ساتھ ہوگا۔ اور ہر ایک میدان میں وہ فتح دے گا۔ پس اسی بنا پر خدا نے **میرا نام نبی رکھا ہے۔** اس زمانہ میں کثرت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور کثرت اطلاع بر علم غیب صرف مجھے ہی عطا کی گئی ہے۔ اور جس حالت میں عام طور پر لوگوں کو خوابیں بھی آتی ہیں۔ بعض کو الہام بھی ہوتا ہے۔ اور کسی قدر ملونی کے ساتھ علم غیب سے بھی اطلاع دی جاتی ہے۔ مگر وہ الہام مقدار میں نہایت قلیل ہوتا ہے۔ اور اخبار غیبیہ بھی اس میں نہایت کم ہوتی ہیں۔ اور باوجود کمی کے مشتبہ اور مکدر اور خیالات نفسانی سے آلودہ ہوتی ہیں۔ تو اس صورت میں عقل سلیم خود چاہتی ہے کہ جس کی وحی اور علم غیب اس کدورت اور نقصان سے پاک ہو اسکو دوسرے معمولی انسانوں کے ساتھ نہ ملایا جائے۔ بلکہ اس کو کسی خاص نام کے ساتھ پکارا جائے۔ تاکہ اس میں اور اسکے غیر میں امتیاز ہو اس لئے محض مجھے امتیازی مرتبہ بخشنے کے لئے خدا نے میرا نام نبی رکھ دیا۔ اور مجھے ایک عزت کا خطاب دیا گیا ہے۔ تاکہ اُن میں اور مجھ میں فرق ظاہر ہو جائے۔ ان معنوں سے میں نبی ہوں اور اُمتی بھی ہوں۔ تاکہ ہمارے سید و آقا کی وہ پیشگوئی پوری ہو کہ آنے والا مسیح اُمتی بھی ہوگا اور نبی بھی ہوگا۔ ورنہ حضرت عیسےٰ جن کے دوبارہ آنے کی باری ہے ایک جھوٹی اُمید اور جھوٹی طمع لوگوں کو دامنگیر ہے۔ وہ اُمتی کیوں کر بن سکتے ہیں۔ کیا آسمان سے اُتر کر نئے سرے سے مسلمان ہوں گے۔ یا کیا اس وقت ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء نہیں رہیں گے۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ
الراقم خاکسار
المفتقر الی اللہ الاحد
غلام احمد عفی عنہ
۲۳ر مئی ۱۹۰۸ء از شہر
لاہور

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات آپ کی صداقت کی زبردست دلیل ہے

(از مولانا شمس صاحب سلمہٗ ربہ)

اخبار الحکم کے خاص نمبر کے لئے مضمون لکھنے کا ارادہ تھا مگر مقدمہ تنسیخ نکاح کے سلسلہ میں مجھے بھاولپور آنا پڑا۔ اور مقدمہ کی مصروفیت کی وجہ سے اسوقت تک نہ لکھ سکا۔ مگر آج الحکم مورخہ ۹/۵/۳۴ کو دیکھ کر پھر لکھنے کی خواہش ہوئی۔ مضمون سوچنے لگا تو معاً دل میں آیا کہ ڈاکٹر فیض قادر صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے صحابی ہیں۔ ان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سوانح کے متعلق کچھ دریافت کر لیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے میری اس درخواست پر کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی واقعہ سنائیں اپنے احمدی ہونے کا واقعہ سنایا۔ اور یہ واقعہ اس امر پر روشنی ڈالتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات بھی آپ کی صداقت کی دلیل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی وفات سے تیس سال پہلے یہ خبر دی کہ تیری عمر اسی برس سے چار یا پانچ کم یا چار یا پانچ سال زیادہ ہوگی۔ اور فرمایا کہ اگر تیری لوگ حفاظت نہ بھی کریں۔ تو بھی خدا تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔ اور وہ تجھے قتل نہ کر سکیں گے۔ اور صاف طور پر یہ وعدہ دیا کہ انی متوفیک کہ میں تجھے طبعی موت دوں گا۔ اور دنیا کی کوئی طاقت تجھے قتل نہیں کر سکیگی۔ چنانچہ دشمنوں نے آپکے قتل کے منصوبے کئے۔ لیکن ان کی تمام تدبیریں اور تمام حیلے بیکار ثابت ہوئے اور ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو خدا تعالیٰ کا وہ کلام پورا ہو گیا جسکا آپ کو خدا تعالیٰ نے وعدہ دیا تھا کہ میں لوگوں سے تیری حفاظت کروں گا۔ اور تجھے کوئی قتل نہیں کر سکے گا۔ اور تجھے طبعی موت دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب میں ڈاکٹر فیض قادر صاحب کی بیعت کا واقعہ درج کرتا ہوں۔ جو انھوں نے آج بتاریخ ۹/۵/۳۴ بمقام بھاولپور مجھے سنایا اور وہ یہ ہے:-

میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ واقعہ قتل لیکھرام کے بعد میں موضع کالواں میں بحیثیت وٹیرنری اسسٹنٹ محمد بخش تھانہ دار کے ہمراہ ایک کیس کی تحقیق کے لئے گیا۔ اور وہ کیس یہ تھا۔ کہ چماروں نے بعض مویشیوں کو زہر دے دیا تھا۔ وہاں اتوار کے روز جبکہ میں بر لب سڑک ایک درخت کے نیچے ان مویشیوں کا علاج کر رہا تھا۔ دیکھا چند یکے۔ جن میں لاہور و امرتسر کے بعض ہندو وکلاء اور بٹالہ کے مہاجن اور رئیس بھی بیٹھے ہوئے تھے گذرے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید یہ لوگ محمد بخش تھانہ دار کے پاس سفارش کرنے کے لئے آئے ہیں۔ لیکن جب شام کو کالواں کا نمبردار میرے پاس آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ یکے آپ کے گاؤں میں آئے اور چند گھنٹے ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ یہ کیوں آئے تھے؟ اس نے بات کو ٹالنا چاہا۔ اور کہا کہ کوئی بات نہیں۔ آخر میرے اصرار پر اس نے کہا "ایہہ جو مرزا قادیاں والا ہے اہدے واسطے آئے سی" یعنی یہ جو قادیان کا مرزا ہے اس کیواسطے آئے تھے۔ اور کہتے تھے بقر عید کے دن اسے قتل کر دو۔ اور پندرہ ہزار روپیہ جس شخص کے پاس بٹالہ میں چاہو رکھ دیتے ہیں۔ میں نے کہا پھر کیا بات طے ہوئی۔ تو اس نے کہا کہ دیکھا جائیگا۔ میں نے کہا کہ تم مرلہ مرلہ زمین اور ایک کھرلی کیواسطے خون کر دیتے ہو۔ تم مرزا کو کیوں قتل نہیں کر دیتے۔ کیونکہ اس نے فتنہ پھیلایا ہوا ہے۔ اس نے کہا تم بھی اس کے برخلاف ہو؟ میں نے کہا ہاں میں بہت بڑا جانتا ہوں۔ اس واقعہ کے ڈیڑھ ماہ کے بعد بٹالہ میں نائب تحصیلدار نے مجھے ایک سبز اشتہار دیکر کہا کہ اسے پڑھو۔ میں نے پڑھا۔ اس اشتہار کا عنوان یہ تھا کہ "بکرے کی ماں کب تک خیر منائیگی"۔ مرزا بقر عید کے دن قتل کیا جائیگا۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کالواں والوں سے ضرور سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ میں نے غلام مصطفےٰ بٹالوی کپوری دروازہ والے سے اس امر کا ذکر کیا اور کہا کہ بقر عید تو قادیان میں پڑھینگے اور تماشا دیکھینگے چاہے نماز ہو یا نہ ہو۔ اس نے کہا آپکے پاس تو گھوڑی ہے لیکن میرے پاس گھوڑی نہیں۔ میں نے اسے گرداور کی گھوڑی لے دی اور عید کے روز قادیان پہونچگئے۔ لوگ قادیان کی مشرقی جانب پل کے پاس بڑ کے درخت کے نیچے (جس کے قریب اب عورتوں کا جلسہ گاہ ہے) جمع ہو رہے تھے۔ ہم گھوڑیاں باندھ کر وہاں بیٹھ گئے ہمارے ساتھ مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین تھے۔ میں لوگوں کی طرف دیکھتا تھا۔ کہ کیا کوئی سکھ مارنے کے لئے بھی آیا ہے۔ ایک بیس برس کی عمر کا سکھ نوجوان جس کے ہاتھ میں پیتل چڑھی ہوئی لاٹھی تھی اور بدن پر تیل ملا ہوا تھا نظر آیا۔ تو میں نے خیال کیا شاید یہ شخص اسکے ساتھ چھری لگا کر مارے گا۔ مولوی نورالدین صاحب نے نماز پڑھائی میں سجدے میں سے اٹھ اٹھ کر دیکھتا تھا کہ شاید اب کوئی مارتا ہے مگر کسی نے نہ مارا۔ مولوی نورالدین صاحب نے سجدہ ذرا لمبا کیا۔ تو مرزا امام الدین سجدہ میں ہی بول پڑا کہ سجدہ بہت لمبا کر دیا ہے۔ مولوی نورالدین صاحب نے خطبہ پڑھا۔ جب حضرت صاحب واپس جانے لگے تو میری طرف سے گذرے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ شخص بزرگ ہے اس کے ساتھ مصافحہ کرنا چاہیئے۔ میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ تو مجھے ایسی خوشی ہوئی جو اب تک پھر کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ میں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا چاند دو ٹکڑے ہو کر میرے سینے میں آ گیا ہے اور مجھے منور کر دیا ہے۔ میں مبہوت سا ہو کر وہیں کھڑا رہ گیا۔ جب ربودگی کی حالت مجھ سے دور ہوئی تو اسوقت لوگ وہاں سے جا چکے تھے۔ میں گھوڑی کھول رہا تھا کہ مفتی فضل الرحمان صاحب آئے اور دریافت کیا کہ فیض قادر تم ہی ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ انھوں نے کہا کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ شاید تم مرزا صاحب کا کھانا نہیں کھاؤ گے (کیونکہ انھیں میری مخالفت کا علم تھا) اسلئے آپ کھانا میرے ساتھ آکر کھائیں۔ کھانے کے بعد مولوی غلام مصطفےٰ صاحب نے کہا کہ ہم چلے تو جائینگے اور کل جا کر قربانی کرینگے۔ آج جمعہ کی نماز بھی پڑھتے جائیں سنا ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب بہت اچھا قرآن پڑھتے ہیں میں نے کہا اچھا۔ جمعہ کے لئے بڑی مسجد میں گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کچھ پہلے تشریف لے آئے۔ شاید مفتی محمد صادق صاحب نے عرض کیا کہ لاہور سے بعض لوگ بیعت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اور وہ آج ہی واپس جانیکا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نماز کے بعد بیعت لینگے۔ مولوی صاحب کے قرآن پڑھنے کا بہت اثر ہوا۔ جب جمعہ کے بعد حضرت صاحب بیعت لینے لگے میں تیسری یا چوتھی صف میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ آواز آئی کہ تم بھی بیعت کے لئے ہاتھ پکڑو۔ میں نے لاحول پڑھی پھر آواز آئی میں نے درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ لیکن تیسری بار بہت زور سے آئی تو میں نے جا کر ہاتھ پکڑ لیا اور بیعت کر لی اور میرے ساتھی نے بھی۔ جب بیعت کر چکے تو حافظ عبدالرحمان صاحب حضرت صاحب کے پاس گئے اور عرض کیا کہ بٹالہ میں جو بہت شور کرتا تھا اس نے بھی آج بیعت کر لی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کہاں کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا فیض اللہ چک کے۔ حضور نے فرمایا رات کا کھانا وہ ہمارے ساتھ کھائیں جب ہم رات کو کھانے کے لئے بیٹھے تو میں روتا تھا اور اسقدر رویا کہ میرا کرتا بھی آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ حضرت صاحب بار بار دیکھتے اور فرماتے ڈاکٹر صاحب کیوں روتے ہو۔ میں نے کہا حضور میں آپکے حق میں گستاخی سے سخت کلمات استعمال کرتا رہا ہوں آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے کیا آپ نے میرے ہاتھ پر بیعت کیوقت تین مرتبہ استغفار نہیں پڑھا؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا وہ تو خدا نے معاف کر دیئے ....!

.... میں نے عرض کیا خدا نے اپنے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ جو میں نے آپکے گناہ کئے تھے وہ آپ بھی معاف کریں تو ہوں تو آپ نے ہنس کر فرمایا کہ ہم نے معاف کر دیئے ہیں۔ پھر میں نے حضرت صاحب کے ساتھ کھانا کھایا۔ جب صبح کو بٹالہ پہنچے تو وہاں شور پڑ گیا۔ میں نے مولوی غلام مصطفےٰ سے بیعت کا سبب دریافت کیا۔ تو انھوں نے کہا مولوی عبدالکریم صاحب نے قرآن کریم ہاتھ میں لے کر خطبہ میں مرزا صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ منجانب اللہ ہے تو جب ہماری نماز روزہ قبلہ وغیرہ ایک ہی ہے اور کوئی مخالفت نہیں تو پھر ہم کیوں نہ مانیں۔ اگر خدا کی طرف سے ہے تو ہماری نمازوں وغیرہ کی کوئی پرسش نہیں ہوگی۔ اگر خدا کی طرف سے نہیں تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔ ہم تو نماز وغیرہ وہی پڑھتے ہیں جو اسلام نے بتائی ہے میں نے کہا کہ میں نے تو اسطرح نہیں مانا جوتے کھا کر مانا ہے۔ میری مثال تو موسیٰ کی سی ہے آگ لینے کو گئے اور پیغمبر بن گئے۔ میں قتل دیکھنے کے لئے گیا اور آپ اسکے ہاتھ پر بیعت کر کے چلا آیا ہوں۔ میں تو اب اسکی منادی کرونگا۔ پھر تمام مقدمات میں حضرت صاحب کے ساتھ رہا ہوں اور حتی الامکان میں نے ان تمام مقدمات میں جو آپ پر کئے گئے خدمت کی۔ اسواقعہ سے ظاہر ہے کہ ہندو آریہ لوگ بھی کیسے کیسے حیلے اور منصوبے آپکے قتل کے لئے سوچتے رہے۔ مگر آخر کار ان کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ اور آپ نے اپنے الہامات کے مطابق ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو طبعی طور پر وفات پائی۔ اللھم صل علی محمد و علی آل محمد و علی عبدک المسیح الموعود و بارک وسلم۔

ان میں سے ہائے سوچنے والے کدھر گئے

از مولانا جلال الدین صاحب شمس

موعود پاک آکے بڑا کام کر گئے — پھیلا کے چار دانگ میں انوار گئے
پابوس صبح و شام رہی کامیابیاں — دشمن تمام آپکے ناکام مر گئے
آئی بہار خوب ہی رنگینیوں کے ساتھ — گلہائے تر سے دامن گلزار بھر گئے
دیندار بن گئے ہیں جو تھے کبھی مے پرست — صہبائے فسق و کفر کے نشے اتر گئے
دن رات جن کو لڑنے جھگڑنے سے کام تھا — دل انکے اب محبت و الفت سے بھر گئے
ارباب ظلم و جور کی جولانیاں گئیں — جو مدتوں سے بگڑے ہوئے تھے سنور گئے
آیا وہ پاکباز کہ تھا جس کا انتظار — لاکھوں بزرگ شوق میں جس کے گذر گئے
ڈالی ہی روح پاک عظام رمیم میں — آکر مسیح پاک عجب کام کر گئے
اس زلزلہ سے اسکے جو آیا بہار میں — لاکھوں ہوئے تباہ ہزاروں ہی مر گئے

اے شمس پھر بھی باز نہ آئے مکذبیں۔
ان میں سے ہائے سوچنے والے کدھر گئے۔

یادِ ایام

(از حضرت قاضی اکمل صاحب)

مخدومی قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ناظم طبع و اشاعت میری معرفی کے محتاج نہیں - چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ گذرتا ہے کہ وہ اپنے قلم سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی قابل رشک خدمت کر رہے ہیں سلسلہ کے ایک پرانے اخبار نویس ہونے کے علاوہ انھوں نے متعدد کتب سلسلہ کی صداقت کے لئے لکھی ہیں - مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت مخدوم الملتہ رضی اللہ عنہ ان کے زور قلم اور طریق استدلال کی ہمیشہ قدر فرمایا کرتے تھے - قاضی صاحب نے معاصر نوازی کے مخلصانہ تعلقات کی مضبوطی کے عملی ثبوت میں میری تحریک پر باوجود اپنی عدیم الفرصتی اور دائمی علالت کے الحکم کے خاص نمبر کے لئے ایک ایسا گرانقدر تحفہ دیا ہے جو یقیناً قارئین الحکم کے لئے دلچسپی ہی نہیں افزونی ایمان کا موجب ہوگا - اللہ تعالیٰ انھیں خدمت سلسلہ میں لمبی عمر عطا کرے - اور میں قارئین الحکم سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایسے گرامی قدر وجود کے لیئے دعا کرتے رہیں - (عرفانی)

یادِ ایام سلف نے ہائے کیا تڑپا دیا
داغِ حسرت آہ میرے سینے میں چمکا دیا

پیہم تقاضا ہے کہ الحکم کے خاص نمبر کے متعلق اپنا فرض ملی ادا کروں - مگر میں سوچتا ہوں کیا لکھوں - کیا نہ لکھوں - وجہ یہ کہ جب سے دار الامان میں سعادت اقامت حاصل ہوئی میرا فرض منصبی ہی یہ تھا کہ جو کلمات طیبات زبان وحی ترجمان سے سنوں - احباب کرام تک بلا کم و کاست پہنچا دوں - اب میں زبانی روایت کیوں کر کروں - جب تک اس لکھے ہوئے کے ساتھ مطابقت نہ دے لوں - ورنہ اختلاف کا احتمال ہے - جو کئی نقائص کا موجب ہو سکتا ہے بہر حال چند تاثرات نظارے بلا کسی ترتیب کے لکھے دیتا ہوں :-

ذرّہ نوازی

میں مسجد مبارک کی مغربی دیوار کے ساتھ محراب کیساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا - اور دیکھنا چاہتا تھا کہ حضور انور نماز کس طریق پر ادا فرماتے ہیں - ان دنوں مجھے فقہی مسائل میں بہت توغل تھا - اور حنفی اور اہل حدیث وغیرہ کے اختلافات اور ایک دوسرے کے مخالف روایات سے

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

کا مضمون صادق آرہا تھا - فیصلہ کا بہترین طریق یہی تھا کہ میں بروز سیدنا محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو نماز پڑھتے دیکھ لوں - حضور نوافل اور سنن اندرون خانہ ہی ادا فرماتے تھے - مگر جمعہ کے روز دو رکعت خطبے سے پہلے مسجد میں پڑھتے تھے - جمعہ دو مسجدوں میں ہوتا تھا - مسجد اقصےٰ میں بامامت حضرت علامہ نور الدین رضی اللہ عنہ اور مسجد مبارک میں بالعموم مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی مرحوم خطیب ہوتے - مولانا کا خطبہ ۵۰ - ۶۰ منٹ طویل ہوتا - حضور نہایت سکون کے ساتھ دستار مبارک کے شملے کا ایک پلڑا ہونٹوں پر رکھے بیٹھے رہتے - اور خطیب صاحب جتنا بھی خطبہ لمبا کرتے ہم خوش ہوتے - کیونکہ ہم اتنی دیر زیارت سے مشرف رہتے - ہاں اس روز جمعہ تو نہیں تھا۔ ظہر کا وقت تھا - رسالہ "نبی اللہ کا ظہور" کا ذکر ہوا - تو فرمایا آپ کا نام محمد ظہیر الدین ہے ؟ (کیونکہ عام طور سے اکمل کے نام سے مشہور تھا - اور بہت کم لوگوں کو میرا نام معلوم تھا) عرض کیا :- محمد ظہور الدین - فرمایا د اور ی قریب قریب ہیں -

(۲) جب میں پہلے پہلے آیا تو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی ہمت افزائی سے مینے اپنی نظم مسجد مبارک میں پڑھنے کا ارشاد عالی حاصل کیا (اب تو مجھے اپنی عبادت اور کم علمی پر تعجب ہی آتا ہے - مگر یہ ایک ولولۂ شوق تھا ورنہ میں کسی طرح بھی اس قابل نہ تھا کہ اپنے اشعار پھر اپنی تھرائی ہوئی آواز میں سناؤں) پہلے مینے ایک رباعی عرض کی - رباعی تو یاد نہیں اور عموماً مجھے اپنے اشعار یاد نہیں آتے - لیکن اس کا مضمون یاد ہے کہ کوئی حنفی ہے کوئی شافعی - مگر میں خوش ہوں کہ ع

احمدی ہوں بغلامی غلام احمد

حضرت مولانا نور الدین رضی اللہ عنہ (جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور نہایت ادب سے سر جھکائے بیٹھے تھے - اور مجھے بعض وجوہ سے کئی مسائل میں ایک غالی اہلحدیث خیال فرماتے تھے) خدا جانے کیا مصلحت تھی - فرمانے لگے - حنفیوں پر یہاں بھی چوٹ کر دی - اتنا کہنا تھا - میری آواز بالکل بند ہو گئی - اور مجھے شرم دامنگیر ہوئی - حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا :- نہیں ایسا نہیں ہے یجوز للشاعر مالا یجوز لغیرہٗ - اس سے تقویت پا کر میں نے اپنی نظم ختم کی جس کے ایک دو شعر یہ ہیں :-

جو آ گیا چمن میں ترے اے خلیل وقت
اس نار میں وہی تو چنے گا اماں کے پھول
ذرے جو تیری خاکِ قدم کے ہیں اے مسیح
وہ ہو کے جانِ چمن آسماں کے پھول
جو مٹ گئے ہیں تیری محبت میں اے حبیبؐ
مٹی سے نکلے بن کے وہی لامکاں کے پھول

خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے - کہنے لگے حضور بہت سنگلاخ زمین میں پھول کھلائے ہیں -

(۳) گوکیکی میں طاعون پھیلا - میرا چھوٹا بھائی اس مرض میں ایسا شدید مبتلا تھا کہ چار دن سخت بے ہوش رہا - مجھے اطلاع پہنچی - تو چونکہ بوجہ مخالفت شماتت اعداء کا خوف تھا - اسلئے مینے دعا کے لئے عرض کی اسوقت جب سیر سے واپس تشریف لاکر سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے - ایک دو زیور پیش کئے - جو میری والدہ صاحبہ نے نذر بھیجے تھے - حضور نے فرمایا اللہ پر بھروسہ رکھیں شفا بخشے گا - اس کے بعد باوجود کسی ظاہر معالجہ نہونے کے برادر عزیز کو شفا ہو گئی - اور مینے ایک مضمون لکھا "مردہ جو مسیح نے زندہ کیا"

(۴) میں بدو شباب ہی سے سخت بیمار ہو گیا تھا - اور چونکہ ایک گاؤں میں رہتا تھا - جہاں کسی کو ملیریا اور دق میں فرق کرنے کی تمیز نہ تھی - اسلئے مختلف عوارض سے پورے دس سال چارپائی پر رہا - والد ماجد سنہ ۱۹۰۰ء کا غالباً ذکر ہے - میرے لئے حضور کا پس خوردہ بطور تبرک لائے - ان دنوں حضور باہر مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرمایا کرتے تھے - اس تبرک کے بعد میری بیماری میں بہت افاقہ ہو گیا - اور میں نے (سنہ ۱۹۰۲ء جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لائے اور مشہور و معروف لیکچر ہوا -) حضور کا لیکچر سنا - اور وہ تقریباً چند منٹ حضور نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی تھی - میں نے مخدوم الملتہ مولانا عبد الکریم رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حضور کئی دن سے اندر تشریف رکھتے ہیں - اور آجکل فصل کا موقعہ ہے - سینکڑوں کاشتکار اور دیہاتی شوق زیارت میں بے تاب منتظر ہیں - اگر حضور چند منٹ کے لئے باہر تشریف لائیں تو کیا اچھا ہو - مولانا نے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر نصیحت فرمائی کیا خدا کا ماموران حالات کو خود نہیں جانتا؟ ہمارا کچھ کہنا ایک بے ادبی ہے - اور نہایت ترنم سے یہ آیت پڑھی :-

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون ولو انھم صبروا حتٰی تخرج الیھم لکان خیرا لھم واللہ غفور رحیم ۵

مولانا کا مسلک عاشقانہ تھا -

مہمان نوازی

حضور کی مہمان نوازی کے تو اتنے قصے ہیں کہ ہر احمدی جو اس زمانے میں آتا تھا ان کا زندہ گواہ ہے - گرمی کے موسم میں جناب شیخ رحمت اللہ صاحب لاہور سے تشریف لائے - حضور نماز ظہر سے پہلے آ کر حسب معمول رونق افروز تھے - شیخ صاحب مرحوم نے آہستہ سے حافظ حامد علی صاحب مرحوم سے کہا کہ پیاس لگی ہے پانی لاؤ - ادھر سے کسی نے اقامت صلوٰۃ کہنا شروع کر دی - حضور نے سن لیا - فرمایا میں خود لاتا ہوں - تھوڑی دیر میں حضور ایک صراحی ایک گلاس اٹھائے تشریف لائے - اور خود پانی میں شربت

ڈال کر شیخ صاحب کو پلایا اور فرمایا آپ جو برف لائے وہ اس میں بھی ڈال دی تھی۔ اس کے بعد نماز ہوئی۔

سادگی

(۱) لاہور سے جب احباب تشریف لاتے تو حضور علیہ السلام ملاقات کا موقعہ دیتے۔ ایک دن حضور کی طبیعت بہت علیل تھی فرمایا اندر ہی آجائیں۔ ہم بھی انکے ساتھ ہی اندر چلے گئے۔ اور لوگ بلا تکلف ادھر ادھر چارپائیوں اور صندوقوں پر جہاں کسی کو جگہ ملی بیٹھ گئے حضور کے پاس پلنگ کے برابر ایک میز پڑی تھی۔ جس پر چار پانچ موم بتیاں لگی ہوئی تھیں۔ دوات قلم اور کاغذ تھا۔ ایک رضائی تھی جس میں کچھ پیوند بھی تھے۔

(۲) حضور جب مسجد میں تشریف لاتے تو تمام لباس زیب تن فرماتے۔ کوٹ۔ پگڑی اور ایک کھونڈا۔ گویا خذوا زینتکم عند کل مسجد پر پورا عمل تھا۔ جب ایک کھڑکی سے باہر نکلتے تو وہاں ہمارے کرم حافظ ابراہیم صاحب نابینا علی العموم گیارہ بجے ہی سے بیٹھے ہوتے۔ وہ ضرور سب سے پہلے السلام علیکم کہتے۔ یا اس کا جواب دیتے اور پھر لباس مبارک کو مس کر کے برکت حاصل کرتے اور دعا کے لئے عرض کر لیتے۔ صرف ایک بار میں نے حضور کی زیارت ایسے لباس میں کی۔ جبکہ شیخ رحمت اللہ صاحب وغیرہ احباب لاہور کے آنے پر حضور مسجد مبارک میں تشریف لے آئے۔ سر پر ترکی ٹوپی تھی۔ جو بہت پرانی اور فرسودہ سی بغیر پھندنے کے۔ اور مہندی لگائے ہوئے تھے۔ غالباً اسی لئے صرف کرتا تھا۔ کوٹ نہ تھا۔ شیخ صاحب نے عرض کیا حضور گھڑی تو اچھی چلتی ہے؟ آپ نے ایک رومال کو فرش پر رکھ کر اور ایک دو گانٹھیں کھول کر اس میں سے گھڑی نکالی۔ معلوم ہوا کہ بند ہے۔ چابی دی گئی۔ وقت درست کیا گیا۔ مولوی محمد علی صاحب نے آہستہ سے کہا اب جس دن پھر آؤ گے چابی دے دینا۔ حضور نے یہ معلوم کر کے مسرت ظاہر کی کہ ایک گھڑی ایسی ہے جسے سات روزہ چابی دیجاتی ہے۔

(۳) ایک دن اثناء سیر میں ایک حافظ صاحب کو پیش کیا گیا کہ بہت خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ حضور بغیر دامن سمیٹنے کے وہیں ریت پر بیٹھ گئے۔ اور کسی خادم کو کپڑا بچھانے کا موقع نہ دیا حافظ صاحب کو بھی بیٹھنے کا ارشاد فرمایا یہ سب قرآن مجید کے ادب کی وجہ سے تھا۔ اور قرآن مجید سنا۔ بلکہ کئی دن تک رات کیوقت انہی حافظ صاحب سے سنتے رہے۔

(۴) طاعون کے کیس ارد گرد کے گاؤں میں ہو رہے تھے پنڈوروں میں بھی کچھ موتیں ہو گئیں۔ کسی مردہ چوہیا کے اشتباہ پر بورڈنگ والوں کو حکم ہوا۔ کہ باہر کیمپ لگالیں وہاں باغ میں کوئی اور قسم کا اشتباہ ہوا تو کیمپ وہاں سے اٹھا کر آگے لے جایا گیا۔ وہاں ایک لڑکا بیمار ہو گیا۔ طاعون سے نہیں۔ مگر بیماری کے دنوں میں معمولی بیماری سے بھی اندیشہ ہو جاتا ہے۔ اسی لبراداں والے رستے پر جاتے ہوئے یہ ذکر حضرت مسیح موعود کے حضور بھی آیا۔ فرمایا کسی دوسری جگہ ڈیرہ لگا لو۔ مولوی محمد علی صاحب نے جھنجھلا کر بے اختیار کہہ دیا۔ حضور اب کہاں جائیں۔ آسمان پر چڑھ جائیں۔ حضور ہنس پڑے اور فرمایا واپس بورڈنگ میں چلے آئیں۔ چنانچہ فوراً سب طلباء وغیرہ واپس بورڈنگ میں آگئے بالکل خیر و عافیت ہو گئی۔

(۵) مقبرہ بہشتی کی طرف جو رستہ آجکل جاتا ہے۔ یہاں پل نہ تھا۔ اور برسات کے موسم میں یہاں جہاں آجکل پل ہے پانی بہہ کر کچھ پانی کھڑا بھی رہتا۔ ایکدفعہ حضور اسی رستے سے ایک نئے پاپوش کے ساتھ پانی میں سے گذر گئے اور خیال تک نہ فرمایا۔ ایک خادم کے عرض کرنے پر پاؤں کی طرف دیکھا اور اچھا فرما کر مسکرا دیئے۔

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا جنازہ جب دفن کر کے واپس آئے تو مستری حسن دین صاحب سیالکوٹی نے سکول کے بنچوں سے ایک پل بنا دیا تھا۔ اس پل سے گزرتے ہوئے بھی دریافت نہ فرمایا کہ یہ کیا ہے مگر بعد میں ذکر کرنے پر مڑ کر دیکھا۔ اور مستری صاحب پر اظہار خوشنودی فرمایا۔ کہ لوگوں کو ایک زحمت سے بچا لیا۔

سیر

جن دنوں کا میں ذکر کر رہا ہوں ان دنوں حضور مشرق کی جانب جہاں آجکل دارالانوار کے مکانات ہیں سیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے سیر کیا اچھا خاصہ مارچ ہوتا۔ ۸ سے ۹ بجے کا وقت دو تین بار حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کو بھی سیر کے لئے ساتھ لے جایا گیا۔ مولانا موصوف پیچھے رہ گئے۔ حضور علم ہونے پر ٹھیر گئے۔ اور اپنا رخ مبارک اسی طرف کر کے جدھر سے حضرت مولوی صاحب آرہے تھے چل پڑے۔ اور ساتھ ملا کر پھر آگے چلے۔ مولانا موصوف پھر پیچھے رہ گئے۔ ان دنوں اس طرف توجہ تھی کہ نواب محمد علی خان صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور حضرت مولانا نورالدین صاحب کو سیر زبردستی کرانا چاہئے کیونکہ یہ لوگ چلتے پھرتے نہیں۔ اور ان کی صحت خراب ہو رہی ہے مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی البتہ اپنا عصا لئے کمر باندھے پہلے ہی چوک میں تیار رہتے تھے۔

(ب) ایک بار حضور جانب شمال اس رستے پر تشریف لے گئے جو بٹر کو جاتا ہے سردی کا موسم تھا۔ ہلکی ہلکی بوندیاں بھی پڑ رہی تھیں۔ حضرت مفتی صاحب کے پاس ایک چھتری تھی۔ مگر حضور نے اشارہ سے منع فرمایا۔ بڑے بازار کے رستے گئے۔ جب باہر نکلے۔ تو سخت سرد ہوا لگی تھی۔ حضرت مولانا نورالدینؓ نے اپنا گرم دھسہ پیش کیا۔ مگر حضور نے نہیں لیا۔ مولینا حضور کے دائیں جانب دونوں ہاتھوں سے گرم چادر پھیلائے ہوا کو روکنے کی کوشش میں مصروف

ڈاکٹر ڈوئی کی موت اور حضرت مسیح موعود کی دعا

(از حضرت ثاقب میرزا خانی)

مخدومی حضرت مولوی نواب خان صاحب ثاقب میرزا خانی الحکم کے معاونین قدیم میں سے ہیں انکے کلام میں ایک خاص اثر اور سلاست ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے حضور بارہا انھوں نے اپنا کلام سنایا اور حضور کی پسندیدگی کا انعام پایا۔ الحکم کے خاص نمبر کے لئے مندرجہ بالا عنوان سے انھوں نے ایک نظم ارسال فرما کر اپنے خادم عرفانی کو شکر گذاری کا موقعہ دیا۔ اللہ تعالے ان کی عمر اور صحت میں برکت دے۔ تا وہ اپنے کلام سے قارئین الحکم کو گرماتے رہیں۔ اور عصر سعادت کی یاد کو تازہ رکھیں۔ (خادم عرفانی)

ڈاکٹر ڈوئی تھا امریکہ میں اک جھوٹا نبی
ہیکلِ الیاس ہو آنے کا تھا وہ مدعی
مفتی صاحب وہ ہمارے صادق الاخلاص دوست
وہ ہمارے احمدیت کے پورے خاص دوست
ڈوئی کا اخبار امریکہ منگاتے تھے مدام
اور سنانے کیلئے مسجد میں لاتے تھے مدام
احمدِ والا شاں کی بزم عالی۔ شام کی
انجمن تھی اک ہمارے مہدی اسلام کی
حضرت والا سنا کرتے تھے حالات ڈوئی
اُسکے دجالی دعاوی اور خیالات ڈوئی
سنکے دعوی غیرتِ اسلام کا جوش آگیا
اور اک چیلنج پورے زور سے لکھا گیا
تم اگر سچے نبی ہو آؤ تو میدان میں!
اور نشانِ راستی دکھلاؤ تو میدان میں
بارگاہِ حضرت باری میں ہو کر باریاب
اور سمجھتے ہو دعائیں ہیں تمہاری مستجاب
اپنی اپنی التجائیں خدا دونوں کریں
اور جھوٹے کی تباہی کی دعا دونوں کریں
سنکے یہ پیغام اس کے ہوش سب جاتے رہے
اُسکے جھوٹے ادعائی جوش سب جاتے رہے
کچھ نہ بن آئی مسیحا کے مقابل میں ذلیل
ہو گیا اپنے مریدوں کی جماعت میں ذلیل
پردہ اسکی کبر و رعنائی کا فاش آخر ہوا
اور ریا کا کارخانہ پاش پاش آخر ہوا
جھوٹ پر جس کی بنا تھی وہ عمارت گر گئی
عزت اُسکی نرغے میں ناموں کے گھر گئی
دولت اُسکی لٹ گئی اور اسکی شہرت مٹ گئی
حشمت دنیائے دوں سب ہو کے غارت مٹ گئی
یہ اثر تھا بس دعائے جری اللّٰہ کا
یہ کرشمہ تھا دم عیسےٰ عالی جاہ کا
اس سے بڑھ کر اور بھی ظاہر ہوا تھا معجزہ
احمدِ آخر زماں سچے نبی کا معجزہ
وہ ڈوئی کا جسم تھا جو تھا جسیم و استوار
کر دیا فالج نے اسکو ناتواں زار و نزار
جھوٹے کو موت آگئی اور نقش اُسکا مٹ گیا
روبرو سچے کے سب جھوٹے کا نقشہ مٹ گیا
ہم نے تصویر اُسکی دیکھی چشم عبرتناک سے
جھوٹ کا بدلہ ملا اُسکو خدائے پاک سے

ایسے ایسے معجزے ثاقب بہت دیکھا کئے
لوحِ دل پر انکے نقش پر صفا لکھا کئے

رہے۔ یہ بوجہ غلبہ محبت تھا۔

(ج) صرف ایک بار حضور کے ساتھ مقبرہ بہشتی کی جانب کاہلواں کے رستے پر سیر کے لئے جانے کا شرف حاصل ہوا۔ اس روز الواح الھدیٰ کا ذکر تھا چونکہ اطلاع لعدمیں اور اتفاقیہ طور پر ہوئی۔ اسلئے نہ میرے پاس کاغذ تھا نہ حضرت مفتی صاحب کے پاس نوٹ بک کچھ پتے سوکھے ہوئے اور ایک ٹھیکرا مفتی صاحب نے جھٹ اٹھا لیا اور اسی پر لکھنا شروع کر دیا۔ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے۔ پیچھے رہ رہ جاتے تھے۔ بوجہ موٹاپے اور چلنے پھرنے کی عادت نہ ہونے کے۔ ایک تجویز کے مطابق آپ کو حضور سے آگے کر دیا گیا۔ تاکہ مجبورًا چلنا پڑے۔ خواجہ صاحب بار بار پیچھے دیکھتے تھے۔ ان کا عاجزانہ انداز اب تک آنکھوں کے سامنے ہے۔ جب وہ واپس ہوئے تو پسینہ پسینہ تھے۔ اور دیر تک دفتر بدر میں بے حس و حرکت پڑے رہے۔

(د) ہائی سکول کی جانب کئی بار جانے کا اتفاق ہوا۔ حضور تو ایک پگڈنڈی پر ہو لیتے۔ مگر مشتاقان جمال برابر چلنے کے لئے تاکہ چہرہ مبارک پر نظر پڑتی رہی۔ اور باتیں بھی سنی جاسکیں ساتھ ساتھ چلتے۔ جھاؤ کی بوٹیاں الجھ الجھ جاتیں۔ جن سے بارہا پاؤں اور پنڈلیوں پر خراشیں آتیں۔ حضور کچھ تیز چلتے معلوم نہ ہوتے تھے۔ مگر ہمراہیوں کو دوڑنا پڑتا تھا۔ آج تو یہ علاقہ تختہ چمن بنا ہوا ہے۔ اور آبادی و مکانات کی کثرت سے نوجوانوں کو خیال بھی نہیں گذرتا ہوگا کہ یہاں ایک ریتلا ویران میدان تھا۔ اور بورڈنگ والے اس کنوئیں پر جہاں اب گھما گھمی کا یہ عالم ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے۔ اکیلے جانے پر شرطیں بدی جاتی تھیں۔ اور کسی لڑکے کو جانے کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔

یہ سب حضور کے دم قدم کی برکت ہے کہ جہاں بھی اور جس طرف بھی قدم مبارک پڑے اب آبادی ہی آبادی ہے۔ کیا مشرق کیا شمال۔ لوگ خضر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں حالانکہ خضر زمن کئی سال ان میں رہا۔ اور وہ غفلت کے لحافوں میں پڑے سوتے رہے۔ اور پہچان نہ سکے مینے بارہا ریتی چھلے کے میدان میں (جہاں آجکل بائیسکل پر بائیسکل، موٹر پر موٹر اور ٹمٹم پر ٹمٹم گذرتی ہے۔ اور پیدل چلنے والوں کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ جہاں بیسیوں دکانیں لگ رہی ہیں) بڑ کے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر ریت کے ذروں کو اٹھا کر آنکھوں سے لگایا ہے۔ کیونکہ ان میں مجھے میدان عرفات کا جلوہ نظر آیا ہے۔ اور بدو نے بھی کیا گیان حاصل کیا ہوگا۔ جو مجھے اور میرے جیسے ہزاروں کو پراپت ہوا۔ یہ تو اٹھائیس۔ تیس سال کی باتیں ہیں۔ اکیس سال پیشتر اس ریتیلے میدان میں سکول کی عمارت کی بنیادوں پر کھڑے ہو کر ایک نظم کہی تھی۔ جس کے چار پانچ اشعار یہ ہیں:—

دلچسپیوں کا مرکز دار العلوم ہوگا
بیت الفنون اسکا ہر ایک روم ہوگا
ہم ہونگے یا نہ ہونگے لیکن یقین جانو
دار الامان ہوگا۔ دار العلوم ہوگا۔
دیکھو گے جب اٹھیں گے تبلیغ کے لئے ہم
اور سامنے ہمارے روما و روم ہوگا
رازیؒ سے کچھ جواں ہیں۔ کچھ ابن تیمیہؒ سے
اک روز جن کے ہاتھوں قمع رسوم ہوگا
پھیلے گا نور دیں کا۔ عرفان کا یقیں کا
محمود ابن مہدی۔ بدر النجوم ہوگا

(قبل از خلافت ثانیہ)

جو منظر آج دنیا دیکھ رہی ہے۔ اسوقت ہر آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ البتہ ایمان و عرفان کی بصارت سے سب کچھ ممکن تھا۔ آج وہ رازی اور ابن تیمیہ ہمیں کام کرتے نظر آرہے ہیں۔ اور مسیحائے وقت کے انفاس قدسیہ سے دین کا نور پھیلتا جا رہا ہے۔ آسمان شہرت پر نجوم الہدٰی کا جھمگٹ ہے۔ اور بدر النجوم کی ضیا ہائے نور بیز زمین کے کناروں تک پہنچ کر دلوں کو روشن کر رہی ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک

اصلاح و تزکیۂ نفس

مسجد مبارک میں حضور تشریف فرما تھے۔ کچھ دوائیوں کا ذکر چل پڑا۔ اثنائے گفتگو میں حضرت مولانا نور الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ دوائی فلاں مرض کے لئے حکمی علاج ہے یہ ایک طبی محاورہ تھا۔ حضور نے فرمایا مولوی صاحب ہمارا مذہب تو یہ ہے اذا مرضت فھو یشفین۔ شفا اللہ کے اختیار میں ہے۔ اور وہی حکمی علاج فرماتا ہے۔ ہم نے تو کئی اطبا کو اسی مرض میں مرتے دیکھا ہے جس میں ان کو خاص دعویٰ ہو۔

(ب) ایک دفعہ کا ذکر ہے مسجد مبارک میں کھڑے کھڑے کسی رئیس کا ذکر آیا کہ وہ سلسلہ کی طرف متوجہ ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ کسی نے عرض کیا حضور ان کو ایک مکتوب لکھدیں۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب نے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ اسے حضور اپنے دست مبارک سے لکھیں بڑی شخصیت ہے۔ آپ نے فرمایا مولوی صاحب! خدا کے ماموروں کی نظر میں یہ دنیا دار ایک مرے ہوئے کیڑے سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتے۔

(ج) جو ترقیات ہم آجکل دیکھ رہے ہیں۔ ان میں سے کئی ایسی ہیں جو آج سے بہت پہلے ہمارے مکرم شیخ عرفانی صاحب تجویز کر کے تحریک فرما چکے ہیں از انجملہ یہ کہ قادیان میں میونسپل کمیٹی ہو۔ پہلے پہلے اس تجویز کا ذکر حضور کے دربار میں ہوا۔ تو پسند نہیں فرمایا۔ کیونکہ مخالفت کا زور تھا اور آبادی بڑھ رہی تھی۔ کئی مکانات بننے والے تھے۔ یہ کمیٹیاں جو دیہاتی زندگی کو شہری زندگی میں تبدیل کرتی ہیں بعض اوقات تعمیر جدید سے مانع ہو جاتی ہیں۔ لیکن ایک صاحب نے کہا اسطرح ہندو اور دوسرے مخالفین غلبہ پاکر سدّ راہ ہوں گے۔ تو فرمایا حضرت مولانا موصوف کو مخاطب کرتے ہوئے کہ یہ لوگ کب تک حکومت کرینگے اور حق کے سدّ راہ ہوں گے۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیمة

مینے عمدًا حضرت مولانا کا ذکر کیا تا ظاہر ہو کہ حضور کا مرتبہ تقویٰ کس قدر بلند تھا۔ اور بڑے بڑے پایہ کے نفوس کو حضور کے فیض صحبت کی ضرورت تھی۔ حضرت مولانا کی شخصیت اور آپ کا مقام بہت ہی بلند ہے۔

میرے عزیزو! اس قسم کے بیسیوں واقعات اور سیکڑوں حالات اور ہزاروں کلمات طیبات ہیں۔ جو رات کی تنہائی میں اسطرح میری چشم تصور کے سامنے اور پردہ گوش پر آتے ہیں جس طرح پر سنیما کے پردے پر تماشائی دیکھتے ہیں

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

مضمون ختم کرنے سے پہلے میں آپکے مناظر وصال کو بھی پیش کرنا چاہتا ہوں:—

منظر وصال

اخیر میں کچھ اس روز کا بھی ذکر کر دوں جب وہ چودھویں کا چاند ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ جب حضور دار الامان سے لامعیت حضرت ام المومنین لاہور تشریف لے گئے تو چند روز کے بعد مینے اخبار بدر میں ایک نظم لکھی جس کا مطلع یہ تھا

صفحۂ ارض پہ زریں ہے نشان لاہور
بڑھ گئی چرخ چہارم سے بھی شان لاہور

مقطع عرض کیا

اپنے اکمل کو بلا لیجئے جلدی حضرت
ہر گھڑی جس کی زباں پر ہے بیان لاہور

حضور نے یہ شعر سنتے ہی فرمایا ان کو بلا لیا جائے۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے مجھے لکھا کہ جلدی لاہور پہنچیں کاتب اور دفتر کے ضروری رجسٹر بھی ساتھ لائیں میں لاہور پہنچ گیا اور ہم نے وہیں بدر کا ڈیکلریشن دیدیا۔ اخبار وہیں سے نکلنے لگا۔ یوم الوصال کی صبح کو گو علالت کی خبر مل چکی تھی۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ یہ صبح ہمارے لئے شام فراق بننے والی ہے۔ مجھے سماچار پریس میں بھیجدیا گیا۔ لیکن میں اپنے قلب میں کچھ ایسا اضطراب پاتا کہ نہیں سمجھتا تھا مجھے کیا ہوگیا بجائے ۱۲ بجے کے ۹½ بجے ہی واپس چلا آیا۔ آتے ہی کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ سراسیمہ پریشان اور حیران پھر رہے ہیں ایک دوسے پوچھا مگر کچھ جواب نہیں ملا۔ آخر معلوم ہوا کہ حضور اسوقت نازک حالت میں ہیں۔ تھوڑی دیر بعد انگریز ڈاکٹر آیا۔ مگر آتے ہی چلا گیا۔ اور ادھر ایک دوست کو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے سن لیا۔ کلیجہ پکڑ کے دل مسوس کر رہ گیا۔ اتنے میں حضرت مفتی صاحب نیچے اترے اور میرے دریافت کرنے پر مجھے اوپر لے گئے اور عین پلنگ کے سرہانے جا کر کھڑا کر دیا۔ میں فورًا جھکا۔ اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ جس پر ہمیشہ مجھے فخر و ناز رہے گا۔ اور کہا طبت حیًّا و میتًا۔ اس کے بعد میں ایسی حالت میں کھڑا رہ گیا کہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کروں اور کدھر جاؤں۔ زمین پیروں تلے سے نکلی جاتی تھی اور حواس جواب دے رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے یہ حالت دیکھی اور مجھے بازو سے پکڑ کر نیچے چھوڑ گئے اور میں اپنے کمرے میں آکر خوب رو دیا۔ اس کے بعد اپنے دل میں خاص طمانیت و تسکین پائی۔ اور دشمن جو کچھ کہنے اور کرنیوالے تھے ان کے جواب اور اپنی آئندہ زندگی کے متعلق بالکل تیار ہوگیا۔ جنازہ کے ساتھ ہی دار الامان پہونچے اور یہاں بہشتی مقبرہ کے ملحقہ مکان کے صحن میں آخری زیارت کی گئی۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے وہ نورانی چہرا جس کا تیرہ صدیوں سے انتظار تھا۔ ہماری مشتاق نگاہوں سے پنہاں ہوگیا۔ اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

حضرت عرفانی کا جذبہ شوق اور آپ کی اکمل نوازی ہے۔ جو یہ ذکر الحبیب زبان قلم پر آگیا۔ ورنہ سنو

ری کیفیت اپنا خیر ہی داستان شوق نہ [illegible] زبان شوق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دس قسم کے نشانات

حضور کے اپنے الفاظ میں

(۱) خدانے مجھے قرآنی معارف بخشے ہیں۔

(۲) خدانے مجھے قرآن کی زبان میں اعجاز عطا فرمایا ہے

(۳) خدانے میری دعاؤں میں سب سے بڑھ کر قوت رکھی ہے۔

(۴) خدانے مجھے آسمان سے نشان دیئے ہیں۔

(۵) خدانے مجھے زمین سے نشان دیئے ہیں۔

(۶) خدانے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ تجھ سے ہر ایک مقابلہ کرنے والا مغلوب ہوگا۔

(۷) خدانے مجھے بشارت دی ہے کہ تیرے پیرو ہمیشہ اپنے دلائل صدق میں غالب رہیں گے۔ تا ان پر ثابت ہو کہ جو خدا کی طرف سے آتا ہے۔ وہ کچھ نقصان نہیں اُٹھاتا۔

(۸) خدانے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ قیامت تک اور جب تک دنیا کا سلسلہ منقطع ہو جائے میں تیری برکات ظاہر کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈھینگے۔

(۹) خدانے آج سے بیس برس پہلے مجھے بشارت دی ہے کہ تیرا انکار کیا جائے گا۔ اور لوگ تجھے قبول نہیں کرینگے۔ پر میں تجھے قبول کروں گا اور بڑے زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کرونگا۔

(۱۰) خدانے مجھے وعدہ دیا ہے کہ تیری برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کے لئے تجھ سے اور تیری نسل میں سے ایک شخص کھڑا کیا جائے گا جس میں روح القدس کے برکات پھونکوں گا۔ وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت تعلق رکھنے والا ہوگا۔ اور مظہر الحق والعلا ہوگا۔ گویا خدا آسمان سے نازل ہوا۔

وتلک عشرۃ کاملہ

دیکھو وہ زمانہ چلا آتا ہے۔ بلکہ قریب ہے کہ خدا اس سلسلہ کی دنیا میں بڑی قبولیت پھیلائے گا۔ اور یہ سلسلہ مشرق اور مغرب شمال اور جنوب میں پھیلے گا۔ اور دنیا میں

اسلام سے مراد یہی سلسلہ ہوگا۔

یہ باتیں انسان کی باتیں نہیں

یہ اس خدا کی وحی ہے

جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں

چل قادیاں کو لے چل

از جناب میر اللہ بخش صاحب تسنیم

الحکم کے خاص نمبر کے لئے مکرمی میر اللہ بخش صاحب تسنیم نے قادیان دارالامان کے اشتیاق میں اپنے جذبات کا اظہار جس رنگ میں کیا ہے وہ ہر احمدی کے قلب میں ایک پر شوق تحریک کا محرک ہے۔ ضرورت ہے کہ احمدی شعراء اس روح کو پیدا کرنے میں اپنی خداداد قوت سے کام لیں ✤ (ایڈیٹر)

①

اے نیک دل شتربان ✤ چل قادیاں کو لیچل
میں خستہ تن بچارا
ہوں منزلوں کا مارا
دونگا تجھے دعائیں
بہر نبی خدارا
مجھ ناتواں کو لے چل
اے نیکدل شتربان ✤ چل قادیاں کو لیچل

②

اس پاک سرزمیں پر
اس ارض دل نشیں پر
مہدی کی خوابگاہ ہے
جس خطۂ حسیں پر
ہاں اس جناں کو لیچل
اے نیک دل شتربان ✤ چل قادیاں کو لے چل

③

یوں بے حضور رہ کر
آقا سے دور رہ کر
کیا لطف زندگی کا
محروم نور رہ کر
جاؤں کہاں کو لے چل
اے نیکدل شتربان ✤ چل قادیاں کو لیچل

④

پالان رکھ شتر پر
تاروں کی چھاؤں چل کر
منزل کو ہم بھی جالیں
پہنچے ہیں دوست اکثر
چل ناتواں کو لے چل
اے نیکدل شتربان چل قادیاں کو لیچل

⑤

دیکھوں وہاں نمونے
اصحاب مصطفےٰ کے
میں بھی فلاح پاؤں
شاید کسی کے صدقے
مجھ خستہ جاں کو لے چل
اے نیکدل شتربان ✤ چل قادیاں کو لیچل

⑥

دید حضور کر لوں
کسب سرور کر لوں
افسردہ دل کی کھیتی
شاداب نور کر لوں
پژمردہ جاں کو لے چل
اے نیکدل شتربان ✤ چل قادیاں کو لے چل

⑦

وحدت کی بانسری پر
چھیڑوں وہ نغمۂ نو
ہو غرق موج عرفاں
تیرا شتر بھی سُن کر
چل، نغمہ خواں کو لیچل
اے نیکدل شتربان ✤ چل قادیاں کو لیچل

⑧

ہوں میں تیرے حوالے
رہنے دے یا اُٹھالے
محروم رہ نہ جاؤں
تسنیم کی دعا لے
دارالاماں کو لے چل
اے نیک دل شتربان
چل قادیاں کو لے چل

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی غیرتِ دینی کا ایک منظر

من کہ ہستم کشتۂ آنِ مسیحؑ
یا تو گویم سترے از شانِ مسیحؑ
تا تو دانی سطوتِ دینِ رسول
تا تو دانی رمزِ آئینِ رسول
تا تو دانی روز آیات خداست
تا تو دانی او بروزِ مصطفےٰ است
لیکھرام آں دشمن صدق وصواب
نزدِ او ہر کاربد کارِ ثواب
منکرِ ہر فضل واحسان خدا
پیشِ او افسانہ روزِ جزا
کینہ اندر سینہ اش بہرِ نبیؐ
چشم اوراز حمیتے مہرِ نبیؐ
مصطفےٰ را روز وشب دشنام داد
فکرِ او جز فتنہ ہا چیزے نزاد
نزدِ احمد روزے افتادش گذر
در حضورش آمد وخم کرد سر
آں ہمہ سرتابیش کافور شد
از سرِ او کبر ونخوت دور شد
ابن مریم روئے خود ازوے بتافت
در دلِ خود بہرِ او لطفے نیافت
عشقِ پیغمبرؐ کہ در دل کاشتے
حُبِ دیگر در دلش نگذاشتے
لیکھرام از سوزِ جانش بے خبر
رو برویش آمدہ بارِ دگر
پشت خم کرد و دو دستش جفت کرد
بے نیازی را بساطش در نورد
التفاتے باز چوں احمد نہ کرد
لالۂ رخسار او شد برگ زرد
اندکے پیچید بر خود لیکھرام
باز پیشش آمد وکردہ سلام
ابن مریم باز سوئے او ندید
از رخِ آں آریہ حسرت چکید
خادماں گفتند اے والامقام
اے امامِ ہند و چین و روم وشام
اسوۂ تو اسوۂ خیر البشرؐ
زینتِ بامِ تو خورشید وقمر
یک جہاں را فیضِ تو آبِ حیات
پختہ تر از تو نہادِ کائنات
مرغکے از تشنگی بیتاب شد
پیشِ تو در جستجوئے آب شد
سرکشے پیشِ تو سرخم کردہ است
کبر ونخوت را ز سر کم کردہ است
بے نیازے گشتہ مجبور ونیاز
با نگاہِ لطف تو او را نواز
ابن مریم آہِ سرد از دل کشید
حرفِ شکوہ بر زبان او رسید
گفت من ہستم غلام مصطفےٰ
روز وشب نوشم ز جامِ مصطفےٰ
سینۂ من روشن از انوارِ او
جانِ من وابستۂ اسرارِ او
ہست او آقائے من مولائے من
اے فدائیش مامک و بابائے من
لیکھرام اورا دہد دشنام ہا
ہدیۂ من میکند اکرام ہا؟
باز از من دارد امیدِ خطاب؟
اے مبادا در دہانِ او لعاب
غیرتِ دینِ نبیؐ این است ایں
رمزِ آئینِ نبی این است ایں
اے مسلمانانِ خدا را بنگرید
ایں چنیں غیرت کجا در بکر و زید
از مقامِ ابن مریم بے خبر
از پئے تکفیرِ او بستہ کمر
برگِ ایماں ناقصاں انداختند
بدنصیباں نقدِ دیں در باختند

شبنم سرحدی بی۔ اے

حضرت مسیح موعودؑ کا خطاب غیروں سے

اے نادانو! اور اندھو! مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا جو میں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلت کے ساتھ ہلاک کر دیا جو مجھے ہلاک کرے گا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو کہ میری روح ہلاک ہونیوالی روح نہیں۔ اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔ مجھے وہ صدق بخشا گیا ہے۔ جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ میں کسی کی پرواہ نہیں رکھتا۔ میں اکیلا تھا۔ اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا۔ کبھی نہیں چھوڑیگا۔ کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا۔ کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہونگے اور حاسد شرمندہ۔ خدا اپنے بندے کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ میں اُسکے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی۔ مجھے اس کے عزت وجلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو۔ اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلاء سے اس کے فضل کیساتھ مجھے خوف نہیں اگرچہ ایک ابتلاء نہیں کروڑ ابتلاء ہو۔ ابتلاؤں کے میدان اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے؎

من نہ آنستم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من
آں منم کاندر میانِ خاک وخوں بینی سرے

حضرت مسیح موعودؑ کا خطاب اپنوں سے

پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا تو مجھ سے الگ ہو جائے۔ مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور خارزار در پیش ہیں۔ جن کو میں نے طے کرنا ہے۔ پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں۔ وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اُٹھاتے ہیں۔ جو میرے ہیں وہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے۔ نہ مصیبت سے۔ نہ لوگوں کے سب وشتم سے۔ نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے اور جو میرے نہیں وہ عبث دوستی کا دم مارتے ہیں۔ کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائینگے اور ان کا پچھلا حال پہلے سے بدتر ہوگا۔ کیا ہم زلزلوں سے ڈر سکتے ہیں۔ کیا ہم خداتعالیٰ کی راہ میں ابتلاؤں سے خوفناک ہو جائیں گے۔ کیا ہم اپنے پیارے خدا کی کسی آزمائش سے جدا ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ مگر محض اس کے فضل اور رحمت سے۔

پس جو جدا ہونے والے ہیں جدا ہو جائیں۔ ان کو وداع کا سلام۔ لیکن یاد رکھیں کہ بدظنی اور قطع تعلق کے بعد اگر پھر کسی وقت جھکیں تو اس کے جھکنے کی عنداللہ ایسی عزت نہیں ہوگی جو وفادار لوگ عزت پاتے ہیں کیونکہ بدظنی اور غداری کا داغ بہت ہی بڑا داغ ہے؎

اکنوں ہزار عذر بیارے گناہ را
مرشوئے کردہ را نبود زیبِ دخترے

ترکِ احمدی

یعنی

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی خود نوشت لائف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی سوانح عمری مختصر طور پر آپ لکھی ہے۔ جس کو اس نمبر میں درج کر دیا جاتا ہے۔ واقعات کی ترتیب بالتفصیل اس کا مقصد نہیں بلکہ عام واقفیت اس بائیوگرافی کا مدعا ہے۔ اس لئے اُمید ہے کہ اس کو خاص دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ (عرفانی)

اب میری سوانح اس طرح پر ہے کہ میرا نام غلام احمد میرے والد کا نام غلام مرتضیٰ اور دادا صاحب کا نام عطا محمد۔ اور پردادا کا نام گل محمد تھا۔ اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ہماری قوم مغل برلاس[۱] ہے۔ اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔ اور ان کے ساتھ قریباً دو سو آدمی ان کے توابع اور خدام اور اہل و عیال میں سے تھے۔ اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے یہاں داخل ہوئے۔ اور اس قصبہ کی جگہ میں جو اس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا۔ جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ پچاس کوس بگوشہ شمال مشرق واقع ہے فروکش ہو گئے۔ جس کو انہوں نے آباد کر کے اس کا نام اسلام پور رکھا۔ جو پیچھے سے اسلام پور قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اسلام پور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا۔ اور قاضی ماجھی کی جگہ قاضی رہا۔ اور پھر آخر قادی بنا۔ اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا۔ اور قاضی ماجھی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ یہ علاقہ جس کا طولانی حصہ قریباً آٹھ کوس ہے۔ ان دنوں میں سب کا سب ماجھ کہلاتا تھا۔ کیونکہ اس ملک میں بھینسیں بکثرت ہوتی تھیں۔ اور ماجھ زبان ہندی میں بھینس کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے بزرگوں کو علاوہ دیہات جاگیرداری کے اس تمام علاقہ کی حکومت بھی ملی تھی۔ اس لئے قاضی کے نام سے مشہور ہوئے مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ہمارے بزرگ سمرقند سے اس ملک میں آئے۔ مگر کاغذات سے یہ پتہ ملتا ہے۔ کہ اس ملک میں بھی وہ معزز امراء اور خاندان والیٔ ملک میں سے تھے۔ اور انہیں کسی قومی خصومت اور تفرقہ کی وجہ سے اس ملک کو چھوڑنا پڑا تھا۔ پھر اس ملک میں آکر بادشاہ وقت کی طرف سے بہت سے دیہات بطور جاگیر ان کو ملے۔ چنانچہ اس نواح میں مستقل رہائش ان کی ہو گئی۔

سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا صاحب میرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس تھے۔ جن کے پاس اس وقت ۸۵ گاؤں تھے اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ تاہم ان کی جواں مردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی کہ اس قدر قلیل میں سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مروت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دے دیئے تھے۔ جو اب تک ان کے پاس ہیں۔ غرض وہ اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنے نواح میں ایک خود مختار رئیس تھے۔ ہمیشہ قریب پانچسو آدمی کے یعنی کبھی کم اور کبھی زیادہ ان کے دستر خوان پر روٹی کھاتے تھے۔ اور ایک سو کے قریب علماء صلحا اور حافظ قرآن شریف ان کے پاس رہتے تھے۔ جن کے کافی وظیفے مقرر تھے۔ اور ان کے دربار میں اکثر قال اللہ اور قال الرسول کا بہت ذکر ہوتا تھا۔ اور تمام ملازمین اور متعلقین میں سے کوئی ایسا نہ تھا۔ جو تارک نماز ہو۔ یہاں تک کہ چکی پیسنے والی عورتیں بھی پنجوقتہ نماز اور تہجد پڑھتی تھیں۔ اور گرد و نواح کے معزز مسلمان جو اکثر افغان تھے قادیان کو جو اس وقت اسلام پور کہلاتا تھا مکہ کہتے تھے۔ کیونکہ اس پُر آشوب زمانہ میں ہر ایک مسلمان کے لئے یہ قصبہ مبارک پناہ کی جگہ تھی۔ اور دوسری اکثر جگہیں کفر اور فسق نظر آتا تھا۔ اور قادیان میں اسلام اور تقویٰ اور طہارت اور عدالت کی خوشبو آتی تھی۔ میں نے خود اس زمانہ سے قریب زمانہ پانیوالوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس قدر قادیان کی عمدہ حالت بیان کرتے تھے کہ گویا اس زمانہ میں ایک باغ تھا جس میں حامیان دین اور صلحاء و علماء اور نہایت شریف جواں مرد آدمیوں کے صدہا پودے پائے جاتے تھے۔ اور اس نواح میں یہ واقعات نہایت مشہور ہیں کہ مرزا گل محمد صاحب مرحوم مشائخ وقت کے بزرگ لوگوں میں سے اور صاحب خوارق اور کرامات تھے جن کی صحبت میں رہنے کے لئے بہت سے اہل اللہ اور صلحاء اور فضلا قادیان میں جمع ہو گئے تھے۔ اور عجیب تر یہ کہ کئی کرامات ان کی ایسی مشہور ہیں۔ جن کی نسبت ایک گروہ کثیر مخالفان دین کا بھی گواہی دیتا رہا ہے۔ غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقویٰ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمایت دین اور ہمدردی مسلمانوں کی کی صفت میں نہایت مشہور تھے۔ اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والے سب کے سب متقی اور نیک چلن اور اسلامی غیرت رکھنے والے اور فسق و فجور سے دور رہنے والے اور بہادر اور بارعب آدمی تھے۔ چنانچہ میں نے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم سے سُنا ہے کہ اس زمانہ میں ایک دفعہ ایک وزیر سلطنت مغلیہ کا قادیان میں آیا جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا۔ اور اس نے مرزا گل محمد صاحب کے مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال عقل اور فہم اور حمایت اسلام اور جوش نصرت دین اور تقویٰ اور طہارت اور دربار کے وقار کو دیکھا۔ اور ان کے مختصر دربار کو نہایت متین اور عقلمند اور نیک چلن اور بہادر مردوں سے پُر پایا۔ تب وہ چشم پُر آب ہو کر بولا کہ اگر مجھے پہلے یہ خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا وجود موجود ہے۔ جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں۔ تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بدوضعی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت دہلی پر بٹھایا جائے۔

اس جگہ اس بات کا لکھنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ میرے دادا صاحب یعنی مرزا گل محمد نے ہچکی کی بیماری سے جس کے ساتھ اور عوارض بھی تھے وفات پائی تھی۔ بیماری کے غلبہ کے وقت اطبا نے اتفاق کر کے کہا کہ اس مرض کے لئے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جائے تو غالباً اس سے فائدہ ہوگا۔ مگر جرأت نہیں رکھتے تھے کہ ان کی خدمت میں عرض کریں۔ آخر بعض نے ان میں سے ایک نرم تقریر میں عرض کر دیا۔ تب انہوں نے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہو تو اس کی پیدا کردہ اور بہت سی دوائیں ہیں میں نہیں چاہتا کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں۔ میں خدا کی قضا و قدر پر راضی ہوں۔ آخر چند روز کے بعد اسی مرض میں انتقال فرمایا۔ موت تو مقدر تھی مگر ان کا یہ طریق تقویٰ ہمیشہ کے لئے یادگار رہا۔ کہ موت کو شراب پر اختیار کر لیا۔ موت سے بچنے کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا۔ لیکن انہوں نے معصیت کرنے سے موت کو بہتر سمجھا۔

افسوس ان بعض نوابوں امیروں اور رئیسوں کی حالت پر کہ اس چند روزہ زندگی میں اپنے خدا اور اس کے احکام سے بکلی لاپرواہ ہو کر اور خدا تعالیٰ سے سارے علاقے توڑ کر دل کھول کر ارتکاب کرتے ہیں۔ اور شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں اور اس طرح اپنی زندگی کو نہایت پلید اور ناپاک کر کے عمر طبعی سے محروم رہتے ہیں۔ اور بعض ہولناک عوارض میں مبتلا ہو کر جلد تر مر جاتے ہیں۔ اور آئندہ نسلوں کے لئے نہایت خبیث نمونہ چھوڑ جاتے ہیں۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے دادا صاحب فوت ہوئے تو بجائے ان کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد فرزند رشید ان کے گدی نشین[۲] ہوئے۔ ان کے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے بہت تدبیریں کیں۔ مگر جبکہ قضا و قدر ان کے ارادے کے موافق نہ تھی۔ اس لئے ناکام رہے اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے۔ یہاں تک کہ دادا صاحب مرحوم کے پاس صرف ایک

---

[۱] عرصہ سترہ یا اٹھارہ برس کا ہوا کہ خدا تعالیٰ کے متواتر الہامات سے مجھے معلوم ہوا کہ میرے باپ دادے فارسی الاصل ہیں۔ وہ تمام الہامات میں نے انہی دنوں میں براہین احمدیہ کے حصہ دوم میں درج کر دیئے تھے جن میں میری نسبت یہ الہام ہے خذوا التوحید التوحید یا ابناء الفارس یعنی توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ پھر دوسرا الہام میری نسبت یہ ہے لو کان الایمان معلقا بالثریا لناله رجل من فارس یعنی اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے وہیں جا کر اس کو لے لیتا۔ اور پھر تیسرا الہام میری نسبت یہ ہے ان الذین کفروا رد علیہم رجل من فارس شکر اللہ سعیه یعنی جو لوگ کافر ہوئے۔ اس مرد نے جو فارسی الاصل ہے ان کے مذہب کو رد کر دیا۔ خدا اس کی کوشش کا شکر گذار ہے۔ یہ تمام الہامات ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے آباء اولین فارسی تھے والحق ما اظهره الله۔ منہ

[۲] ہمارا شجرہ اس طرح پر ہے میرا نام غلام احمد ابن مرزا غلام مرتضیٰ صاحب ابن مرزا عطا محمد صاحب ابن مرزا گل محمد صاحب ابن مرزا فیض محمد صاحب ابن مرزا قائم صاحب ابن مرزا محمد اسلم صاحب ابن مرزا محمد دلاور صاحب ابن مرزا الہ دین صاحب ابن مرزا جعفر بیگ صاحب ابن مرزا محمد بیگ صاحب ۔ ابن مرزا عبد الباقی صاحب ابن مرزا محمد سلطان صاحب ابن مرزا ہادی بیگ صاحب مورث اعلیٰ ۔ منہ

قادیان رہ گئی۔ اور قادیان اسوقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا اور اس کے چار برج تھے۔ اور برجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے اور چند توپیں تھیں۔ اور فصیل بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اسقدر چوڑی تھی کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا۔ اول فریب کی راہ سے اجازت لے کر قادیان میں داخل ہوا۔ اور پھر قبضہ کر لیا۔ اسوقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی۔ اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے۔ اور ان کی مال و متاع سب لوٹی گئی۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور بعض مسجدیں جن میں سے اب تک ایک سکھوں کے قبضہ میں ہے۔ دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا۔ جس میں پانچسو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا۔ جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچ کر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے۔ اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزیں ہوئے تھوڑے عرصہ کے بعد انہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی۔ پھر رنجیت سنگھ کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضےٰ قادیان واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب مرحوم کے دیہات میں سے پانچ گاؤں واپس ملے۔ کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست بنائی تھی۔ سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے۔ اور لاہور سے پشاور تک اور دوسری طرف لدھیانہ تک اس کی ملک داری کا سلسلہ پھیل گیا تھا۔ غرض ہماری پرانی ریاست خاک میں ملکر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہ گئے۔ پھر بھی بلحاظ پرانے خاندان کے میرے والد صاحب مرحوم غلام مرتضیٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گذاری میں پچاس گھوڑے معہ پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے۔ اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عندالضرورت وعدہ بھی دیا۔ اور سرکار انگریزی کے حکام سے بجلدوئے خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج ان کو ملی تھیں۔ چنانچہ سر لیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لئے حکام وقت ڈپٹی کمشنر ان کے مکان پر آ کر ان کی ملاقات کرتے تھے۔ یہ مختصر میرے خاندان کا حال ہے۔ میں ضروری نہیں دیکھتا کہ اسکو بہت طول دوں۔

اب میری ذاتی سوانح یہ ہیں کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور میں ۱۸۵۷ء میں سولہ برس یا سترھویں برس میں تھا۔ اور ابھی ریش و بروت کا آغاز نہیں تھا۔ میری پیدائش سے پہلے میرے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے۔ ایک دفعہ ہندوستان کا پیادہ سیر بھی کیا۔ لیکن میری پیدائش کے دنوں میں ان کی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف بدل گیا تھا اور یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ میں نے ان کے زمانہ سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا۔ اور نہ دوسرے بزرگوں کی ریاست اور ملک داری سے حصہ پایا۔ بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح جن کے ہاتھ میں صرف نام کی شاہزادگی بوجہ داؤد کی نسل سے ہونے کی تھی۔ اور ملکداری کے اسباب سب کچھ کھو بیٹھے تھے۔ ایسا ہی میرے لئے بگفتن یہ بات حاصل ہے کہ ایسے رئیسوں اور ملکداروں کی اولاد میں سے ہوں۔ شاید یہ اسلئے ہوا کہ یہ مشابہت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پوری ہو۔ اگرچہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرے لئے سر رکھنے کی جگہ نہیں۔ مگر تاہم میں جانتا ہوں کہ وہ تمام صف ہمارے اجداد کی ریاست اور ملک داری میں لپیٹی گئی۔ اور وہ سلسلہ ہمارے وقت میں آ کر بالکل ختم ہو گیا اور ایسا ہوا تا کہ خدا تعالیٰ نیا سلسلہ قائم کرے۔ جیسا کہ براہین احمدیہ میں اس سبحانہ کی طرف سے الہام ہے سبحان اللہ تبارک وتعالیٰ زاد مجدک ینقطع اٰباءک ویبدء منک یعنی خدا جو بہت برکتوں والا اور بلند اور پاک ہے اس نے تیری بزرگی کو تیرے خاندان کی نسبت زیادہ کیا اب سے تیرے آباء کا ذکر قطع کیا جائے گا۔ اور خدا تجھ سے شروع کرے گا۔ اور ایسا ہی اس نے مجھے بشارت دی کہ میں تجھے برکت دوں گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔"

پھر میں پہلے سلسلہ کی طرف عود کر کے لکھتا ہوں کہ بچپن کے زمانے میں میری تعلیم اسطرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا۔ تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں۔ اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر قریب دس کے ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر ہوئے جن کا نام فضل احمد تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی۔ اس لئے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگ آدمی تھے۔ وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہتے۔ اور میں نے صرف کی کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے۔ اور بعد اس کے جب سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا۔ تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کیلئے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا۔ اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے۔ اور ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی۔ کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے کہتے تھے اور ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے۔ اور نیز ان کا یہ بھی مطلب تھا کہ میں اس شغل سے الگ ہو کر ان کے غموم ہموم میں شریک ہو جاؤں آخر ایسا ہی ہوا۔ میرے والد صاحب اپنے بعض آباؤ اجداد کے دیہات دوبارہ لینے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے انہوں نے ان ہی مقدمات میں مجھے لگایا۔ اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری کے امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا۔ اس لئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ رہتا رہا۔ ان کی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ تھی۔ مگر وہ چاہتے تھے کہ دنیاداروں کی طرح مجھے رو بخلق بنا دیں۔ اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کمشنر نے قادیان میں آنا چاہا۔ میرے والد صاحب نے بار بار مجھ کو کہا کہ ان کی پیشوائی کے لئے دو تین کوس جانا چاہیئے۔ مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی۔ اور میں بیمار بھی تھا۔ اس لئے نہ جا سکا۔ پس یہ امر بھی ان کی ناراضگی کا موجب ہوا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ میں دنیوی امور میں غرق رہوں۔ جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب و اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا۔ اور ان کے لئے دعا میں مشغول رہتا تھا۔ اور وہ مجھے دلی یقین سے برٌّ بالوالدین جانتے تھے۔ اور بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ورنہ میں جانتا ہوں کہ جس طرف اس کی توجہ ہے یعنی دین کی طرف صحیح اور سچ بات یہی ہے۔ ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں۔ ایسا ہی ان کے زیر سایہ ہونے کے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔ آخر چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا۔ اس لئے ان کے حکم سے جو عین میری منشا کے موافق تھا میں نے استعفا دیکر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا۔ اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے۔ جو پورے طور پر صوم و صلوٰۃ کے پابند ہوں اور جو ان ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں۔ جو ابتلا کے طور پر ان کو پیش آتے رہتے ہیں۔ میں ہمیشہ ان کا منہ دیکھ کر حیران رہا اور اکثر کو ایسا پایا کہ ان کی تمام دلی خواہش مال و متاع تک خواہ حلال کی وجہ سے ہو یا حرام کے ذریعہ سے محدود ہیں اور بہتوں کی دن رات کی کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دنیوی ترقی کے لئے مصروف پائیں۔ میں نے ملازمت پیشہ لوگوں کی جماعت میں بہت کم ایسے لوگ پائے۔ جو محض خدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد کر کے اخلاق فاضلہ حلم اور کرم اور عفت اور تواضع اور انکسار اور خاکساری۔ اور ہمدردی مخلوق اور پاک باطنی۔ اور اکل حلال۔ اور صدق مقال اور پرہیزگاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں بلکہ بہتوں کو تکبر اور بدچلنی اور لاپروائی دین اور طرح طرح کے اخلاق رذیلہ میں شیطان کا بھائی پایا۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع انسان کا مجھے تجربہ حاصل ہو۔ اسلئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا۔ اور بقول صاحب مثنوی رومی وہ تمام ایام سخت کراہت اور درد کے ساتھ میں نے بسر کئے۔ ؎

من بہر جمعیتے نالاں شدم ۔ جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من
در درون من نجست اسرار من

ٹ میں توام پیدا ہوا تھا۔ ایک لڑکی جو میرے ساتھ تھی۔ وہ چند دنوں کے بعد فوت ہو گئی تھی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اسطرح پر خدا تعالیٰ نے انثیت کا مادہ مجھ سے بکلی الگ کر دیا۔ منہ

اور جب میں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا تو بدستور ان ہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مگر اکثر حصہ قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سنایا بھی کرتا تھا۔ اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم و مہموم رہتے تھے۔ انھوں نے پیروی مقدمات پر ستر ہزار روپیہ صرف کیا تھا جس کا انجام آخر ناکامی تھی۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے۔ اور انکا واپس آنا ایک خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کیوجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ مجھے ان حالات کو دیکھ کر ایک پاک تبدیلی پیدا کرنے کا موقعہ حاصل ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا۔ جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے اگرچہ حضرت والد صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے۔ اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام سالانہ مقرر تھا۔ اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی۔ مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم و محزون رہتے تھے۔ اور بارہا کہتے تھے کہ جسقدر میں نے اس پلید دنیا کے لئے سعی کی ہے اگر وہ سعی دین کے لئے کرتا تو شاید آج قطب وقت یا غوث وقت ہوتا۔ اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

عمر بگذشت و نماندست جز ایامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

اور مینے کئی دفعہ دیکھا کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر رقت کے ساتھ پڑھتے تھے اور وہ یہ ہے ؎

از در تو اے کس ہر بیکسے
نیست امیدم کہ روم ناامید

اور کبھی درد دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے ؎

باب دیدہ عشاق و خاکپائے کسے
مرا دلے است کہ در خون تپید بجائے کسے

حضرت عزّ و جلشانہ کے سامنے خالی ہاتھ جانے کی حسرت روز بروز آخری عمر میں ان پر غلبہ کرتی گئی اور بارہا افسوس کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ دنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لئے مینے اپنی عمر ناحق ضائع کر دی۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب نے یہ خواب بیان کیا کہ مینے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک بڑے شان کے ساتھ میرے مکان کی طرف چلے آتے ہیں۔ جیسا کہ ایک عظیم الشان بادشاہ آتا ہے۔ تو میں اسوقت آپ کی طرف پیشوائی کے لئے دوڑا۔ جب قریب پہنچا تو مینے سوچا کہ کچھ نذر پیش کرنی چاہیئے۔ یہ کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں صرف ایک روپیہ تھا۔ اور جب غور سے دیکھا تو وہ بھی کھوٹا ہے۔ یہ دیکھ کر میں چشم پر آب ہو گیا اور پھر آنکھ کھل گئی" پھر آپ ہی تعبیر فرمانے لگے کہ دنیاداری کے ساتھ خدا اور رسول کی محبت ایک کھوٹے روپے کی طرح ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخر حصہ زندگی کا مصیبت اور غم و حزن میں ہی گذرا۔ اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی۔ اور اپنے والد صاحب یعنی میرے دادا صاحب کا ایک شعر بھی سنایا کرتے تھے۔ جس کا ایک مصرعہ راقم کو بھول گیا ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ ع

کہ جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے۔

اور یہ غم اور درد ان کا پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی خیال سے چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحب نے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی۔ جو اس جگہ کی جامع مسجد ہے اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو تا خدائے عزّ و جل کا نام میرے کان میں پڑتا رہے۔ کیا عجب کہ یہی ذریعہ مغفرت کا ہو۔ چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ مکمل ہو گئی اور شاید فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں کہ حضرت والد صاحب چند روز بیمار رہ کر مرض پیچش سے فوت ہو گئے اور اس مسجد کے اسی گوشہ میں جہاں انھوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا دفن کئے گئے **اللّٰھم ارحمہ وادخلہ الجنۃ** آمین ۸۰ یا ۸۵ سال کی عمر پائی۔ ان کی یہ حسرت کی باتیں کہ میں نے کیوں دنیا کے لئے وقت عزیز کھویا۔ اب تک میرے دل پر دردناک اثر ڈال رہی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو دنیا کا طالب ہو گا۔ آخر اس حسرت کو ساتھ لے جائے گا۔ جسنے سمجھنا ہو سمجھے۔ میری عمر قریباً ۳۴ یا ۳۵ برس کی ہو گی جب حضرت والد صاحب کا انتقال ہوا۔ مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا کہ اب ان کے انتقال کا وقت قریب ہے۔ میں اسوقت لاہور تھا۔ جب مجھے یہ خواب آیا تھا۔ تب میں جلدی سے قادیان پہونچا۔ اور ان کو مرض زحیر میں مبتلا پایا۔ لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی کہ وہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے۔ کیونکہ مرض کی شدت کم ہو گئی تھی۔ اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے۔ دوسرے دن شدت دوپہر کے وقت ہم سب عزیز ان کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اسوقت تم ذرا آرام کر لو۔ کیونکہ جون کا مہینہ تھا۔ اور گرمی سخت تھی۔ میں آرام کے لئے ایک چوبارہ پر چلا گیا۔ اور ایک نوکر پیر دبانے لگا کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا **والسماء والطارق** یعنے قسم ہے آسمان کی جو قضاء و قدر کا مبداء ہے۔ اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہو گا۔ اور مجھے سمجھایا گیا کہ الہام بطور عزا پرسی خدا کی طرف سے ہے اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائے گا"

سبحان اللہ کیا شان خداوند عظیم ہے کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضائع ہونے سے حسرت کرتا ہوا فوت ہوا ہے اس کی وفات کو عزا پرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے اس بات سے اکثر لوگ تعجب کریں گے کہ خدا تعالے کی عزا پرسی کیا معنے رکھتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ حضرت عزّ و جلشانہ جس کسی کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے۔ تو ایک دوست کی طرح ایسے معاملات اس سے کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالے کا ہنسنا جو حدیثوں میں آیا ہے ان ہی معنوں کے لحاظ سے ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جل شانہ کی طرف سے الہام ہوا۔ جو مینے ابھی ذکر کیا ہے۔ تو بشریت کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ پھر نامعلوم ہمیں کیا کیا ابتلاء پیش آئے گا۔ تب اسیوقت یہ دوسرا الہام ہوا

الیس اللہ بکاف عبدہٗ

یعنی خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟ اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا۔ اور فولادی میخ کی طرح میرے دل میں دھنس گیا۔ پس مجھے خدائے عزّ و جل کی قسم ہے۔ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے اپنے اس مبشرانہ الہام کو ایسے طور پر سچا کر کے دکھایا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا۔ میرا وہ ایسا متکفل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ایسا متکفل نہیں ہو گا۔ میرے پر اس کے متواتر وہ احسان ہوئے کہ بالکل محال ہے کہ میں ان کا شمار کروں۔ اور میرے والد صاحب اسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہو گئے یہ ایک پہلا دن تھا جو میں نے بذریعہ الہام ایسا رحمت کا نشان دیکھا۔ جس کی نسبت میں خیال نہیں کر سکتا کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو۔ میں نے اس الہام کو ان ہی دنوں میں ایک نگینہ میں کھدوا کر اس کی انگشتری بنوائی۔ جو بڑی حفاظت سے اب تک رکھی ہوئی ہے۔ غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گذری۔ ایک طرف ان کا دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا۔ میں کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ میرا کونسا عمل تھا۔ جسکی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل ہوئی۔ صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالے کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے جو کسی چیز کے روکنے سے نہیں رک سکتی۔ سو یہ اسی کی عنایت ہے۔ میں نے کبھی ریاضات شاقہ بھی نہیں کیں اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا۔ اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی اور نہ خلاف سنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا جس پر خدا تعالے کے کلام کو اعتراض ہو۔ بلکہ میں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا۔ جو انواع اقسام کے بدعات میں مبتلا ہیں۔ ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ ان کا زمانہ وفات بہت ہی قریب تھا ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس سنت اہلبیت کو بجا لاؤ۔ سو مینے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس امر کو مخفی طور پر بجا لانا بہتر ہے۔ پس میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگوانا۔ اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جنکو مینے پہلے تجویز کر کے وقت پر حاضری کے لئے تاکید کر دی تھی۔ دے دیتا۔ اسطرح تمام دن روزے میں گذارتا اور بجز خدا تعالے کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر روٹی کھاتا ہوں۔ مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں بہتر ہے کہ کسی قدر کھانے کو کم کروں۔ سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہاں تک کہ صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک مینے ایسا ہی کیا۔ اور باوجود اس قدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کر سکتا تھا۔ خدا تعالے نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا اور اس قسم کے روزے کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں

جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گزشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں۔ اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیاء اس اُمت میں گزر چکے ہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ حسنین و علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا یہ خواب نہ تھی بلکہ ایک بیداری کی قسم تھی۔ غرض اسطرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں۔ جن کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستاں طور پر نظر آتے تھے۔ جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے۔ یہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے۔ جن میں سے بعض چمکدار اور سفید اور بعض سبز اور سرخ تھے۔ ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا۔ اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور روح کو لذت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے۔ یعنی وہ ایک نور تھا۔ جو اوپر سے نازل ہوا تھا۔ اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دور ہیں۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔

غرض اس مدت تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوئے وہ انواع و اقسام کے مکاشفات تھے۔ ایک اور فائدہ مجھے حاصل ہوا کہ میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔ مینے کئی دفعہ خیال کیا اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو۔ میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے تو قبل اس کے کہ مجھے کھانے کے لئے کچھ اضطراب ہو۔ وہ فوت ہو جائے۔ اس سے مجھے یہ ثبوت ملا۔ کہ انسان کسی حد تک فاقہ کشی میں ترقی کر سکتا ہے۔ اور جب تک کسی جسم ایسا سختی کش نہ ہو جائے۔ میرا یقین ہے کہ ایسا متنعم پسند روحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا کہ ایسا کرے۔ اور نہ مینے اپنی مرضی سے ایسا کیا ہے۔ مینے کئی جاہل درویش ایسے بھی دیکھے۔ جنہوں نے شدید ریاضتیں اختیار کیں۔ اور آخر یبوست دماغ سے مجنون ہو گئے۔ اور بقیہ عمر ان کی دیوانہ پن میں گذری۔ یا دوسرے امراض سل اور دق وغیرہ میں مبتلا ہو گئے۔ انسانوں کے دماغی قویٰ ایک طرز کے نہیں ہیں۔ پس ایسے اشخاص جن کے فطرتاً قویٰ ضعیف ہیں ان کو کسی قسم کا جسمانی مجاہدہ موافق نہیں پڑ سکتا۔ اور جلد تر کسی خطرناک بیماری میں پڑ جاتے ہیں۔ سو بہتر ہے کہ انسان اپنے نفس کی تجویز سے اپنے تئیں مجاہدہ شدیدہ میں نہ ڈالے۔ اور دین العجائز اختیار رکھے۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی الہام ہو۔ اور شریعت غراء اسلام سے منافی نہ ہو۔ تو اس کو بجا لانا ضروری ہے۔ لیکن آج کل کے نادان فقیر جو مجاہدات سکھلاتے ہیں۔ ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ پس ان سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

یاد رہے کہ مینے کشف صریح کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر جسمانی سختی کشی کا حصہ آٹھ یا نو ماہ تک لیا۔ اور بھوک اور پیاس کا مزہ چکھا۔ اور پھر اس طریق کو علے الدوام بجا لانا چھوڑ دیا اور کبھی کبھی اس کو اختیار بھی کیا۔ یہ تو سب کچھ ہوا۔ لیکن روحانی سختی کشی کا حصہ ہنوز باقی تھا۔ سو وہ حصہ ان دنوں مجھے اپنی قوم کے مولویوں کی بد زبانی اور بد گوئی اور تکفیر اور توہین اور ایسا ہی دوسرے جہلاء کے دشنام اور دل آزاری سے مل گیا۔ اور جس قدر یہ حصہ مجھے ملا۔ میری رائے ہے کہ تیرہ سو برس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کم کسی کو ملا ہوگا۔ میرے لئے تکفیر کے فتوے تیار ہو کر مجھے تمام مشرکوں اور عیسائیوں اور دہریوں سے بد تر ٹھہرایا گیا۔ اور قوم کے سفہا نے اپنے اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے مجھے وہ گالیاں دیں کہ اب تک مجھے کسی دوسرے کی سوانح میں ان کی نظیر نہیں ملی۔ سو میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ دونوں قسم کی سختی سے میرا امتحان کیا گیا۔

اور پھر جب **تیرھویں صدی کا آخر** ہونے لگا۔ اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا۔ تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ مجھے خبر دی کہ **اس صدی کا مجدد ہے** اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ **الرحمٰن علم القراٰن لتنذر قوماً ما انذر اٰباءھم و لتستبین سبیل المجرمین۔ قل انی امرت و انا اول المومنین**۔ یعنے خدا تعالیٰ نے تجھے قرآن سکھایا۔ اور اس کے صحیح معنے تجھ پر کھولدیے یہ اسلئے ہوا کہ تا تو ان لوگوں کو بد انجام سے ڈرائے جو بباعث پشت در پشت کی غفلت اور نہ متنبہ کئے جانے کی غلطیوں میں پڑ گئے۔ اور تا ان مجرموں کی راہ کھل جائے کہ جو ہدایت پہونچنے کے بعد بھی راہ راست کو قبول کرنا نہیں چاہتے۔ ان کو کہدے کہ میں مامور من اللہ اور اول المومنین ہوں۔ اور یہ الہام براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے۔ جو ان ہی دنوں میں جس کو آج اٹھارہ سال کا عرصہ ہوا۔ میں نے تالیف کر کے شائع کی تھی۔ اس کتاب کے الہامات پر نظر غور ڈالنے سے ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا نے کیوں اور کس غرض سے مجھے اس خدمت پر مامور کیا اور کیا حالت موجودہ زمانہ کی اور صدی کا سر اس بات کو چاہتا تھا یا نہیں؟ کہ کوئی شخص ایسے غربت اسلام کے زمانہ میں اور کثرت بدعات اور سخت یورش بیرونی حملوں کے دنوں میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید اور تجدید دین کے لئے آوے"۔

اور اس جگہ یہ بات بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ براہین احمدیہ کے زمانہ تک اس ملک کے اکثر علماء میرے دعوے مجدد ہونے کی تصدیق کرتے تھے۔ اور کم سے کم یہ کہ نہایت حسن ظن سے میرے الہامات پر بڑے بڑے سخت متعصبوں کو بھی کوئی جرح نہ تھی۔ اور اکثر ان میں سے خوشی سے کہتے تھے کہ خدا نے اسلام کے لئے چودھویں صدی کو مبارک کیا کہ اپنی طرف سے ایک مجدد بھیجا۔ اور بعض نے ان میں سے نہایت اخلاص کے ساتھ براہین احمدیہ کا ریویو لکھا۔ اور اس میں اسقدر میری ... تعریف کی کہ جس قدر ایک انسان کسی کامل درجہ کے راستباز اور پاک باطن اور خدا رسیدہ اور ہمدرد اسلام کی تعریف کر سکتا ہے۔ حالانکہ اس مولوی صاحب کو یہ بھی معلوم تھا کہ براہین احمدیہ میں وہ الہام بھی ہیں جس میں خدا تعالیٰ نے میرا نام **عیسےٰ اور مسیح موعود** رکھا ہے۔ غرض اسوقت تک تصریح کے ساتھ میری طرف سے دعویٰ مسیح موعود ہونے کا نہیں ہوا تھا۔ اور صرف مجدد چودھویں صدی کا ہونا عام لوگوں میں مشہور رہا تھا۔ کوئی بڑی مخالفت علماء کی طرف سے نہیں ہوئی۔ بلکہ اکثر ان میں سے مصدق اور مطیع رہے۔ مگر اس دعوے مسیحیت کیوقت عجب طور کا شور علماء میں پھیلا۔ اور ان میں سے اکثر لوگوں نے انواع اقسام کی خیانت سے عوام کو دھوکہ دیا۔ اور بعض نے ان میں سے میری تکفیر کے بارے میں استفتار تیار کیا۔ اور بڑی کوشش کر کے صدہا کم فہم اور موٹی عقل والے لوگوں کے اسپر دستخط کرائے۔ مگر گویا کہ پہلے آثار نبویہ میں لکھا تھا کہ اس آنیوالے امام موعود کی تکفیر ہوگی۔ اس پیشگوئی کو پورا کیا۔ کیونکہ ان.... پاک نوشتوں کا پورا ہونا ضروری تھا۔ اور تعجب کہ مسیح موعود ہونے کے دعوے میں کوئی ایسی نئی بات نہیں تھی۔ جو براہین احمدیہ میں اسوقت سے اٹھارہ برس پہلے درج نہیں ہو چکی تھی۔ مگر پھر بھی نادان مولویوں نے اس دعویٰ پر بڑا شور برپا کیا۔ آخر ان کی فتنہ انگیزیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ گھر گھر میں عداوت پڑ گئی۔ مسلمانوں کا ایک گروہ میرے ساتھ ہو گیا۔ اور ایک گروہ کج فہم مولویوں کے پیچھے لگا۔ اور ایک گروہ ایسا رہا کہ نہ موافق اور نہ مخالف۔ اور اگرچہ ہمارا گروہ ابھی بکثرت دنیا میں نہیں پھیلا۔ لیکن پشاور سے لے کر بمبئی اور کلکتہ اور حیدر آباد دکن اور بعض دیار عرب تک ہمارے پیرو دنیا میں پھیل گئے۔ پہلے یہ گروہ پنجاب میں بڑھتا پھولتا گیا۔ اور اب میں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان کے اکثر حصوں میں ترقی کر رہا ہے۔ ہمارے گروہ میں عوام کم اور خواص زیادہ ہیں۔ اس گروہ میں بہت سے سرکار انگریزی کے ذی عزت عہدہ دار ہیں جو ڈپٹی کلکٹر اور اکسٹرا اسسٹنٹ اور تحصیلدار وغیرہ معزز عہدوں والے آدمی ہیں۔ ایسا ہی پنجاب اور ہندوستان کے کئی رئیس اور جاگیر دار اور اکثر تعلیم یافتہ ایف۔ اے بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے اور بڑے بڑے تاجر اس جماعت میں داخل ہیں۔ غرض ایسے لوگ جو عقل اور علم اور عزت و اقبال رکھتے تھے۔ یا بڑے بڑے عہدوں پر سرکار انگریزی کی طرف سے مامور تھے۔ یا رئیس۔ جاگیردار اور تعلقہ دار اور نوابوں کی اولاد تھے اور ہندوستان کے قطبوں اور غوثوں کی نسل سے تھے۔ جن کے بزرگوں کو لاکھوں انسان اعلیٰ درجہ کے ولی اور قطب وقت سمجھتے تھے وہ لوگ اس جماعت میں داخل ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں غرض اللہ تعالیٰ کے فضل اور قدرت نے مولویوں کو ان کے ارادوں سے نامراد رکھ کر ہماری جماعت کو فوق العادت ترقی دی ہے اور دے رہا ہے۔ وہ لوگ جو در حقیقت پارسا طبع اور خدا ترس۔ اور نوع انسان سے ہمدردی کرنے والے اور دین کی ترقی کے لئے بدل و جان کوشش اور خدا تعالیٰ کی عظمت کو دل میں بٹھانے والے اور عقلمند اور ذی فہم اور اولوالعزم اور خدا و رسول سے سچی محبت رکھنے والے ہیں۔ وہ اس جماعت میں بکثرت پائے جائینگے۔ میں دیکھتا ہوں کہ خداوند کریم اس بات کا اس بات کا ارادہ کر رہا ہے کہ اس جماعت کو بڑھا دے اور برکت دے اور زمین کے کناروں تک سعادت مند انسانوں کو کھینچکر اس میں داخل کرے ❖

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سوانح حیات

حیاتِ احمد

دوسری جلد کا دوسرا نمبر

جس میں ۱۸۸۳ء تک کے واقعات درج ہیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ

دفتر اخبار الحکم سے طلب فرمائیے

بعض آپ بیتیاں

مکرمی مولوی خیرالدین صاحب سیکھوانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ان مخلص اور بے ریا خدام میں سے ہیں۔ جو آغاز شباب سے حضرت اقدس کے ساتھ اخلاص رکھتے تھے۔ سیکھوانی بھائیوں کا ذکر حضرت نے اپنی تحریروں میں محبت کے ساتھ کیا ہے اور ان کے اخلاص و وفا پر اظہار خوشی کیا ہے۔ مولوی صاحب نے ذیل کی روایات خاص نمبر کے لئے عطا فرمائی ہیں۔ (عرفانی)

ایک دفعہ جبکہ ابھی حضرت نے دعویٰ مسیحیت و مہدویت نہیں کیا تھا۔ رمضان کا مہینہ تھا گرمی کا موسم تھا۔ آپ صائم تھے۔ آپ اسوقت ایک سرد خانہ میں تھے۔ جو مکان قدیمی کے غالباً شرقی جانب تہ زمین تھا۔ میری چھوٹی عمر تھی اور میں روزہ دار نہ تھا۔ میں اور ایک شخص اور تھا جس کا نام مجھے ٹھیک یاد نہیں ہے غالباً میاں جان محمد صاحب رضی اللہ عنہ کا بھائی جمال تھا۔ حضور کو دبا رہے تھے تو حضور نے مجھ سے ایک نظم جو مولوی غلام رسول صاحب مرحوم قلعہ سوبھانہ ضلع سیالکوٹ کی تھی۔ جو کتاب پکی روٹی کے آخر میں درج تھی سنی۔ جس کے ابتدائی شعر یہ تھے ؎

دلا غافل نہ ہو اکدم یہ دنیا چھوڑ جانا ہے
باغیچے چھوڑ کر خالی زمیں اندر سمانا ہے
ترا نازک بدن بھائی جو لیٹے سیج پھولوں پر
وہ اکدن ہوئیگا مردار اور کرموں نے کھانا ہے
نہ بیلی ہو سکا بھائی نہ بیٹا باپ نہ مائی
کہاں پھرتا ہے سودائی عمل نے کام آنا ہے

اس کا آخری شعر یہ تھا ؎

غلام اکدم نہ کر غفلت حیاتی پر نہ ہو غرّہ
خدا کو یاد کر ہر دم جو آخر کام آنا ہے

جب ظہر کا وقت ہوا تو کابلی چنے جو اسی سرد خانہ کے ایک گوشہ میں ایک گھڑے میں پڑے تھے۔ بھنوا کر اپنے دست مبارک سے ہم دونوں میں تقسیم کر دیئے۔

ایک مرتبہ غالباً یہ بھی قبل از دعویٰ کا واقعہ ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے گاؤں سیکھوانکی مسجد کے اُس مقام پر کھڑا ہوں جہاں نمازی لوگ وضو کیا کرتے تھے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت صاحب مسجد کے سقفی دروازہ کے پاس کھڑے ہیں۔ اور ہاتھ دروازہ کی اوپر کی چوکھٹ پر ڈالا ہوا ہے۔ لیکن اسوقت قامت بلند ہے۔ تو میرا خیال فوراً اس طرف چلا گیا۔ کہ یہ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان ہے۔ (کیونکہ میں نے سنا تھا کہ جب آپ چلا کرتے تھے تو بلند قامت معلوم ہوا کرتے تھے) تب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ واقعہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی اثناء میں میری آنکھ کھل گئی۔ جب میں قادیان گیا تو اُسوقت آپ اُس چوبارہ میں تشریف فرما تھے۔ جو اس کوچہ کے سر پر ہے جو حضرت صاحب اور مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کے گھروں کو جاتا ہے۔ اور چوبارہ مذکور کا ایک دریچہ گول کمرہ کی طرف بھی کھلتا تھا۔ اور گول کمرہ میں ایک چوبی سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ میں اسی سیڑھی کے ذریعہ چوبارہ میں پہنچ گیا۔ میں نے اس خواب کا ذکر حضرت اقدس کی خدمت میں کیا۔ حضور نے فرمایا کہ جب کوئی اُمتی فنافی الرسول کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل اس کی شکل ہو جاتی ہے پھر آپنے فرمایا کہ:— ہمارا ارادہ ہے کہ ایسی خوابوں کو جمع کر کے کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ اسیوقت آپ نے ایک چھوٹی سی پاکٹ اپنی جیب سے نکالی اور مجھ سے خدا کے نام پر حلف لے کر اپنے ہاتھ مبارک سے میری خواب کو لکھ کر اور دستخط کرا کر محفوظ کر لیا۔

ایک مرتبہ آپ برائے سیر اُسی راستہ کی طرف نکلے۔ جو یکوں اور ٹمٹموں کا راستہ بٹالہ کو جاتا ہے۔ واپسی کے وقت راستہ کے ایک کنارہ پر ایک درخت کیکر گرا...... ہوا تھا۔ کسی بھائی نے مسواکوں کے لئے اس درخت سے شاخ کاٹ کر لوگوں میں مسواکیں تقسیم کر دیں۔ مجھے یاد ہے کہ جناب مرزا خدا بخش صاحب مصنف عسل مصفیٰ کے ہاتھ میں بھی مسواک تھی اور حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ہاتھ میں بھی کسی نے مسواک دے دی (اسوقت حضرت خلیفہ ثانی بچے تھے۔ مجھے بچہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ حضرات پیغامی صاحبان بھی بچہ کہتے کہتے الگ ہو گئے۔ لیکن جسوقت کا یہ واقعہ ہے اُسوقت آپ واقعہ میں بچے ہی تھے۔) غرض جب ان کے ہاتھ میں مسواک آئی تو آپنے بے تکلف حضرت صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ابا مسواک! آپ خاموش رہے۔ جب دوبارہ سہ بارہ کہا۔ تو حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مسواک کس کی اجازت سے لی گئی ہے؟ حضور کا یہ فرمانا تھا کہ سب نے اپنے ہاتھوں سے مسواکیں پھینک دیں ۔

(خاکسار خیرالدین سیکھوانی)

تاثرات تمیم

ذیل میں مکرمی خان بہادر میاں غلام رسول صاحب تمیم کے تاثرات درج کرتے ہوئے مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اسلئے کہ تمیم صاحب کو سلسلہ سے محبت الحکم ہی کے ذریعہ ہوئی تھی وہ نہایت اخلاص اور محبت سے احمدی ہوئے اور ان کا سارا خاندان سلسلہ میں داخل ہو گیا۔ افسوس ہے کہ کسی وجہ سے وہ خلافت ثانیہ کے وقت لاہوری جماعت میں شریک ہو گئے۔ اور ان کے بڑے بھائی مرحوم و مغفور اور ان کا خاندان خلافت سے وابستہ رہا۔ میں ہمیشہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے پرانے دوست تمیم صاحب کو شرح صدر عطا فرمائے۔ بہر حال ان کے تاثرات دلچسپ اور حدیث محبوب کو لئے ہوئے ہیں۔ (عرفانی)

مجھے احمدیت کی تبلیغ کی ابتدا تو الحکم نے کی اور اسکی تکمیل کا زیادہ حصہ مخالفین کے مباحثہ اور لٹریچر نے پورا کیا۔ چنانچہ تحریک سلسلہ اور بانی سلسلہ کی صداقت پر مطمئن ہو کر بیعت بذریعہ تحریر تو میں نے فوراً کر لی۔ مگر خود حاضر ہونے کا موقعہ کچھ عرصہ بعد سنہ ۱۹۰۴ء یا سنہ ۱۹۰۵ء میں ملا۔

حضرت اقدس دولت خانہ کی کھڑکی سے مسجد میں تشریف لائے اور چھوٹی سی مسجد کے چھوٹے سے محراب والے حصہ میں بیٹھ گئے۔ لوگوں کی ارادت اور فرط شوق میں ایک دوسرے پر گرنا۔ اور خود حضرت پر ہجوم کی ایسی صورت بن جانا کہ دم گھٹنے کا خوف ہونے لگے۔ اور حضرت کا تحمل اور بردباری میرے نزدیک بذاتہ ایک نشان تھا۔ مکرمی شیخ یعقوب علی صاحب تراب نے ہمت کی اور اور اس ہجوم سے کھینچ کھانچ کر مجھے حضرت کے قریب پہنچایا اور اس ہجوم میں میرا تعارف کرایا۔ میں نے مصافحہ کی سعادت حاصل کی۔ مصافحہ کی حالت میں حضرت کی پاک نظر میری طرف اُٹھی۔ مگر میری آنکھوں کی برابر نہ آنے پائی تھی کہ پھر نیچے کی طرف لوٹ گئی اور آئندہ بھی جب کبھی مجھے باریابی کا موقعہ ملا تو آنجناب کی نظر کا یہی معمول پایا۔ پہلی مرتبہ اس غض بصر نے میرے دل پر خاص اثر کیا

شیخ صاحب نے از خود یا حضرت کے دریافت پر میری رخصت کے متعلق عرض کیا کہ پندرہ روز کی رخصت پر آئے ہیں تو اسی خیال کی بنا پر کہ میں اتنا عرصہ وہاں ٹھیروں گا۔ میں نے حضور کے چہرہ مبارک پر ایک خاص انبساط کی کیفیت مشاہدہ کی۔ مگر جب مینے عرض کیا کہ میں صرف دو تین دن یہاں ٹھیر سکوں گا۔ کیونکہ اسی رخصت میں اور بھی کئی جگہ جانا ہے۔ تو مینے بغور اور بخوبی دیکھا کہ وہ انبساط تقریباً جاتا رہا اور اسکی جگہ ایک ایسی کیفیت اور صورت نے لے لی کہ جس سے کسی قدر افسوس یا ملال کا خیال پایا جا سکتا تھا۔ گویا حضرت کے دل کی کیفیت کا نہایت لطیف ترجمان جسقدر مینے جناب کے بشرہ کو دیکھا اُس کی نظیر آجتک میری نظر میں عمر بھر نہیں گذرا۔ میرے نزدیک سعادت اور صفائی قلب کا یہ بھی ایک نشان تھا — میری روانگی کا وقت آپہنچا۔ اور رخصت اور اجازت لینے کے لئے در دولت پر حاضر ہوا۔ اُس موسم میں وہ آرام کا وقت تھا۔ اور میرا خیال تھا کہ میں باریاب نہ ہو سکوں گا۔ مگر اطلاع پہونچنے کی دیر تھی کہ حضور جس حالت میں تھے۔ میں اُسی حالت میں یعنی بالکل تازہ مہندی لگی ہوئی جو ابتک بہت ٹپک رہی تھی۔ باہر تشریف لائے اور نہایت بے تکلفی اور بے نظیر محبت سے کافی عرصہ تک نصائح فرماتے رہے۔ جناب کی یہ ادا بھی میرے لئے اسوقت ایک اعلیٰ خلق اور نشان تھا۔ اسوقت حضرت اقدس اور آپ کے تمام وابستگان کے متعلق میرا تاثر یوں تھا کہ گویا ایک میدان کارزار سخت گرم ہے اور یہ لوگ خواہ محصور ہیں یا محاصر ہیں۔ اس گھمسان کے رن میں اپنی زندگانی سے بالکل لاپرواہ ہو کر کسی بہت بڑی چیز کی حفاظت میں بہت ہی منہمک ہیں اور اپنی جان لڑا رہے ہیں اور ادھر اُدھر کی دنیا سے انکیں کوئی سروکار یا احساس تک نہیں۔ ان کا مقصود یہ ہے کہ کامیاب ہوں اور یقین ہے کہ جانیں دیکر کامیاب ہونگے میری نظر میں اُسوقت نہ صرف حضرت اقدس اور آپ کے صحابہ سرگرم کارزار تھے۔ بلکہ قادیان کی در و دیوار اور خس و خاشاک بھی اسی رنگ میں رنگین نظر آتا تھا۔ اور یہ رنگ بھی میرے لئے ایک بہت

[illegible]

قصیدہ

دشمنوں کی ہے یہ خواہش مجھے دیکھیں ابتر

(از جناب حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری)

اس موضوع کو حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار شاہجہان پوری نے الحکم کے خاص نمبر کے لئے نظم کیا ہے۔ اور بتلایا ہے کہ دشمن کیا چاہتے تھے اور خدا نے کیا کیا۔ چونکہ حافظ صاحب نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں اور بیماری کے یہ قصیدہ ہماری درخواست پر تصنیف فرما کر مرحمت فرمایا ہے اس لئے خاص شکریہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ مدت ہوئی کہ حافظ صاحب بعض خدمات سلسلہ انجام دینے کی غرض سے یہیں مقیم ہیں اور ابھی چندے اور یہیں قیام رہے گا۔ (ایڈیٹر)

قطعہ

اخویم حضرتِ یعقوب علی عرفانی!
خیر اندیش و وفاکیش و محبت پرور

آپ نے مجھ سے کئی بار جو فرمائش کی
اسی اخلاص و توجہ کا ہے یہ خاص اثر

ورنہ میرے لئے فی الحال یہ موقع کب تھا
آپ کو بھی مری مصروفیتوں کی ہے خبر

اور پھر شیب کے عالم میں کہاں رنگِ شباب
نہ وہ تیزی ہے نہ وہ سیفِ زباں میں جوہر

ضعف سے دل ہی ٹھکانے ہے نہ قابو میں دماغ
طائرِ فکر ہے ڈالے ہوئے گویا شہپر

بحرِ ذخارِ مضامیں سے ہو کس طرح عبور
کشتیِ طبعِ رواں جب ہو گسستہ لنگر

طائرِ ذہنِ رسا سیرِ فلک بھول گیا
کہ وہ ہے اور نگہبانیِ جائے بستر

میں کہاں اور کہاں مشغلۂ شعر و سخن
فقط ارشاد کی تعمیل ہے ای نیک سیر

اب سے اڑتیس برس پہلے کی ہوگی یہ بات
اپنے لفظوں میں سناتا ہے جسے آج احقر

قصیدہ

اللہ اللہ وہ اعجازِ لبِ جاں پرور
کلمہ پڑھنے لگیں جس سے بتانِ آذر

حسنِ الفاظ و معانی سببِ راحتِ روح
دل نشیں طرزِ سخن لطفِ بیاں وجد آور

خوشتر آں وقت کہ تھا حاضرِ خدمت میں بھی
آہ! وہ مجلسِ پاک آج بھی ہے پیشِ نظر

اس طرح حلقۂ خدام میں تھے مہدیِ دیں
جلوہ گر محفلِ انجم میں ہو جس طرح قمر

اللہ اللہ وہ اندازِ وقارِ مجلس
اللہ اللہ وہ دلچسپ وہ دلکش منظر

اللہ اللہ وہ نزولِ برکات و انوار
اللہ اللہ وہ کشودِ درِ چرخِ اخضر

اللہ اللہ وہ حقائق وہ معارف وہ نکات
اللہ اللہ وہ دہن شستہ حوضِ کوثر

فرحتِ قلب سے حضّار کی نظریں روشن
صورتِ فرطِ مسرت سے برنگِ گلِ تر

سن رہے تھے ہمہ تن گوش بنے وہ تقریر
جس کے الفاظ تھے گل اور معانی گوہر

کون تھا صاحبِ تقریر؟ مسیحِ موعودؑ
مہبطِ روحِ امیں موردِ فضلِ داور

آپ نے اپنی صداقت کے دیئے ایسے ثبوت
جن کو سن کر علما و فضلا ہوں ششدر

فقرے فقرے میں وہ تاثیر کہ سبحان اللہ
روحِ سامع سے صدا اٹھتی تھی بہتر بہتر

بات یہ بھی اسی تقریر میں پھر فرما دی
دشمنوں کی ہے یہ خواہش مجھے دیکھیں ابتر

مشورے رہتے ہیں آپس میں یہی اُن سب کے
کہ مری راہ میں برپا کریں کچھ فتنہ و شر

مفتری کوئی سمجھتا ہے تو کوئی مجنون
کوئی ساحر مجھے کہتا ہے کوئی شعبدہ گر

آرزو ہے یہی انھیں ہر دم مری بربادی کی
اسی کوشش میں اسی فکر میں ہیں شام و سحر

لیکن اُن کی یہ تمنا نہ بر آئے گی کبھی
بلکہ وہ میری جگہ خود ہی اٹھائینگے ضرر

اس میں کچھ شک نہیں یہ بات ہے لاریب درست
یہی قرآن میں ہے قولِ خدائے برتر

فضل کرتا ہے خدا اور تو سب پر لیکن
مفتری کا نہیں ہوتا نہیں ہوتا یاور

مفتری کا کبھی ہوتا نہیں انجام بخیر
مرگِ ناکامی و حسرت سے نہیں اُس کو مفر

مفتری کے لئے راحت کا نہیں کوئی مقام
نارِ حسرت ہے یہاں اور وہاں نارِ سقر

اور جو ملہمِ صادق ہو وہ پائیگا فلاح
آخر اُس کے لئے وا ہونگے درِ فتح و ظفر

اس کو اندیشۂ شمشیرِ مکذب کیا ہو
کہ ہے صادق کیلئے ذاتِ الٰہی مغفر

میں جو کاذب ہوں تو پھر کذب کی پاؤنگا سزا
اور صادق ہوں تو منکر کا ہے انجام ابتر

کبھی مامور من اللہ نہ ہوگا ناکام
یاد رکھیں اسے لکھ رکھیں عدوئے خود سر

یہ تو سچ ہے کہ ابھی میری جماعت ہے قلیل
اور اُس پر یہ طرّہ غربا ہیں اکثر

اس کے افراد کو اغیار سے نسبت ہی نہیں
کہ نہ یہ صاحبِ طاقت ہیں نہ یہ صاحبِ زر

اپنے ہی ضعف سے ہے اک تو سنبھلنا دشوار
اور پھر درپئے تخریب ہے دنیا یکسر

نت نئے فتنے اُٹھاتا ہے گروہِ علماء
ہر طرف آتشِ تکفیر کے اُڑتے ہیں شرر

مجھ سے برگشتہ و برہم اُمراء و رؤسا
مشتغل عامۃ النّاس، مخالف لیڈر

اِس طرف میرے موافق کہیں دو ہیں کہیں ایک
اُس طرف دشمنِ خوں خوار ہیں لشکر

حالِ ظاہر جو ہو ملحوظ تو صورت یہ ہے
صید لاغر ہے اِدھر اور اُدھر شیرِ ببر

باوجودیکہ تناسب نہیں باہم کچھ بھی
باوجودیکہ بڑا فرق ہے دونوں میں مگر

وقت آتا ہے کہ دی جائے گی شہرت مجھ کو
وقت آتا ہے کہ دنیا کا بنوں گا رہبر

ہر طرف میرے خیالات کو غلبہ ہوگا
زیر ہو جائیں گے وہ جو نظر آتے ہیں زبر

میں ہوں اک شمع تہِ سایۂ دستِ قدرت
مجھ کو گُل کر نہیں سکتی کبھی بادِ صرصر

میں وہ ذرہ ہوں کہ خورشید ہے جس میں پنہاں
میں وہ قطرہ ہوں کہ رکھتا ہے جو دریا ذر

وہ ترقی مجھے ملنی ہے کہ اللہ غنی
آج اِک تخم ہوں کل میں نظر آؤنگا شجر

میرے ہی سایہ میں خلقت کو ملے گا آرام
حیف اُس پر مری جانب جو اُٹھاتا ہے تبر

چند ہی روز میں پستی ہے مُبدّل بہ عروج
دیکھتے دیکھتے بنجائے گا ذرّہ نیّر

ہے یقینی مرے اقوال کا پورا ہونا
کہ یہ ہیں وحیِ الٰہی سے نہ از رمل و جفر

سُن لیا سب نے یہ ارشادِ مسیحائے زماں
اب وہ سوچیں جنھیں ہو خطرۂ روزِ محشر

قولِ صادق یہ نہیں تھا تو ہوا کیوں پورا
شاخ جو خشک ہو وہ بھی کہیں لاتی ہے ثمر؟

مفتری پر بھی کہیں فضلِ خدا ہوتا ہے؟
کہیں مُفسِد پر بھی کُھلا کرتے ہیں انعام کے در؟

تخم تھا سلسلۂ احمدیہ اب ہے درخت
پہلے اصغر تھا تو اب فضلِ خدا سے اکبر

پہلے قطرہ تھا تو یہ آج ہے بحرِ موّاج
پہلے ذرہ تھا تو اب صورتِ مہرِ انور

احمدی خدمتِ اسلام میں رہتے ہیں دواں
شہرتِ سیر سے گویا ہیں طلسمی پیکر

بہرِ تبلیغ کبھی روندتے ہیں پشتِ زمیں
کبھی یہ چیرتے پھرتے ہیں سمندر کا جگر

ایشیا میں یہ کبھی ہیں کبھی امریکا میں
کبھی درپیش انھیں افریقہ و یورپ کا سفر

کہہ رہی ہے یہ پکارے روشِ مستانہ
”شیرِ قالیں ہے دگر شیرِ نیستاں دیگر“

یہ بہرِ کیف ہیں مستِ مئے عشقِ اسلام
گو وہ کوئی سی بھی حالت ہو سفر ہو کہ حضر

غیر ملکوں میں بھی اب انجمنیں ہیں قائم
اس سے قطعِ نظر اسود ہوں کہ ہوں وہ احمر

یہ حقیقت ہے کسی سے بھی جو چھپنے کی نہیں
خواہ وہ مولوی صاحب ہوں کہ مسٹر ہوں کہ سر

احمدی عرصۂ تبلیغ میں ہیں بے ہمتا
آج اِنکا کوئی ثانی ہے نہ کوئی ہمسر

نہیں اس میں کوئی گنجایشِ انکار نہیں
کہ زمانے میں ہے یہ بات من الشمس اظہر

الغرض احمدیت پھیل چکی ہے ہر سمت
لیکن اِس پر بھی کسی کو جو نہ آئے باور

تو پھر اُس کے لئے اک سہل سی تجویز یہ ہے
جو ہے بہر خس و خاشاکِ توہّم اخگر

کہ وہ انصاف و خدا ترسی و حق جوئی سے
اِک ذرا دیکھ لے قولِ ظفرِ سعد اختر

آپ بھی بادلِ ناخواستہ فرماتے ہیں
آپ کو بھی ہے یہ اقرار بصد خوف و خطر

(۱۵ زمیندار اکتوبر ۱۹۳۳ء)

ہند ہی تک نہ رہا سلسلۂ احمدیہ
بلکہ اب غیر ممالک میں بھی ہے اِس کا گزر

ہیں اِدھر چین میں شاغل تو اُدھر یورپ میں
ہر طرف پھیل گیا احمدیت کا یہ شجر

چشمِ عبرت سے یہ حسرت نگراں ہوں ہر سو
رگِ جاں کے لئے یہ بات ہے گویا نشتر

آہ! پاتا تھا جنھیں عاقل و دانا و فریس
صاحبِ فہم و ذکاؤ خرد و علم و ہنر

وائے قسمت جو نظر آتے تھے سرمایۂ ناز
اب وہ ہیں اور مئے احمدیت کے ساغر

احمدی ہو کوئی اِس کی نہیں مجھ کو برداشت
یہ تو ہے میرے جگر کے لئے اِک تیرِ دوسر

کر دیا ہے انھیں تیروں نے کلیجا چھلنی
آہ! کچھ چین نہیں پڑتی مجھے میں ہوں مضطر

جل گئے سوزِ دروں سے جگر و دل دونوں
آتشِ غم نے بنا رکھا ہے سینہ مجمر

اور چندے یہی حالت ہے تو پھر خیر نہیں
کہ بنا دے گی مجھے نارِ حسد خاکستر

اب توجہ سے ذرا سُن لیں مرے معروضات
وہ جو اِس راہ میں ہیں سر بکف و سینہ سپر

احمدیت کی ترقی جو نہ روکی ہم نے
امن سے کر نہ سکیں گے کہیں اوقات بسر

یہ ہمارے لئے گویا ہے جگر کا ناسور
یا بجھایا ہوا زہر آب میں بُرّاں خنجر

ہوشیار اے مرے یارانِ طریقت ہُشیار
حذر اِس خنجرِ خونخوار سے سو بار حذر

احمدیت کے تو سایہ سے بھی لازم ہے فرار
ورنہ کھا لے گی ہمیں اِس کی تو ہے جوعِ بقر

اللہ اللہ وہی پیکرِ کبر و نخوت
وہی حاسد وہی بدگو وہی بدبین و اختر

جوشِ بدگوئی اُڑائے لئے پھرتا ہے جسے
لکھنؤ میں جو کبھی ہے تو کبھی امرت سر

احمدیت کی ترقی سے جو ہے یوں نالاں
جس طرح چنخنی پھرتی ہو زنِ بے شوہر

اور اسطرح جو ہوتا ہے کبھی گرمِ فغاں
جس طرح مرگِ پسر پر کوئی بیوہ مادر

آتشِ بغض سے جس کا دلِ بریاں ہے کباب
دے رہا ہے یہ شہادت وہی ناکامِ ظفر

اب ذرا غور کریں وہ شرفائے عالم
جو ہیں اہلِ خرد و اہلِ دل و اہلِ بصر

یہ شہادت ہے ترقی کا ثبوتِ کامل
یا ابھی اِس میں کسی قسم کی باقی ہے کسر

حق پسندوں کے لئے ہے یہ دعائے مختار
دمبدم فضلِ الٰہی رہے سایہ گستر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکتوبات

اپنے دوستوں کے نام

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکتوبات جو حضور نے اپنے مخلص احباب اور خدام کو لکھے۔ پانچ جلدوں میں شائع ہو گئے ہیں ہر جلد کی قیمت صرف ایک روپیہ ہے

دفتر الحکم قادیان دار الامان سے طلب فرمایئے

ذکرِ حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام

از جناب سید مصباح الدین احمد صاحب

مذکورۃ الصدر عنوان کے ماتحت جب مینے کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تو "ذکر حبیب" کے جلسوں کا تمام دفتر اور حضرت شیخ عرفانی صاحب کی "حیات احمد" پر تصانیف کا سارا سلسلہ اور حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی "سیرت المہدی" کا مجموعہ ایک سینما ٹوگراف فلم کی طرح میری نظر کے سامنے گذرنا شروع ہوا۔ اور حضرت اقدس کی حیات طیبہ اور سیرت پاک کا ہر واقعہ اور ہر پہلو ایسے گوناگوں محاسن اور ایسی بڑھی ہوئی دلآویزی اپنے اندر لئے ہوئے تھا کہ میں اس امر کے انتخاب سے قطعی عاجز ہو گیا۔ کہ ناظرین الحکم کے سامنے کونسی بات رکھوں اور کونسی نہ رکھوں اور کون سی پہلے کہوں اور کونسی بعد میں سناؤں میرے قلب کی وہی کیفیت تھی جو کہ فیلسوف نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کی ہے ؎

بہر کجا کہ درِ نندام تو ہمی نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

بہر حال چارو ناچار حیات احمد کے گلشن کے چند پھول چنے جو ہدیہ احباب کرتا ہوں:۔

(مصباح الدین احمد)

حضرت اقدس کی صورت پاک

مولوی فضل الٰہی صاحب مہاجر قادیان نے سنایا کہ ایک روز بعد نماز مغرب حضرت اقدس حسب معمول مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے۔ حضور مشرق کی طرف منہ کرکے بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے سے چاند چمک رہا تھا مینے دیکھا کہ حضرت اقدس کا چہرہ اس قدر درخشاں تھا کہ میں اس بات میں فرق نہ کر سکا کہ آیا چاند کی شعاعیں زیادہ تیز تھیں یا کہ حضرت کی پیشانی مبارک سے نکلنے والی نورانی شعاعیں زیادہ روشن تھیں۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب کا بیان ہے "آپ مردانہ حسن کے اعلیٰ نمونہ تھے مگر یہ فقرہ نامکمل رہے گا اگر اس کے ساتھ دوسرا یہ نہ ہو کہ" یہ حسن انسانی ایک روحانی چمک دمک اور انوار اپنے ساتھ لئے ہوئے تھا۔"

حضرت اقدس کی سادگی وضع

مولانا عبد الکریم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "باہر مسجد مبارک میں آپ کی نشست کی کوئی خاص وضع نہیں ہوتی۔ ایک اجنبی آدمی آپ کو کسی خاص امتیاز کی وجہ سے پہچان نہیں سکتا۔ آپ ہمیشہ دائیں صف میں مسجد کی ایک کونے میں اس طرح مجتمع ہوکر بیٹھتے ہیں۔ جیسے کوئی فکر کے دریا میں خوب سمٹ کر تیرتا ہے۔ میں جو اکثر محراب میں بیٹھتا ہوں اور اس لئے داخلی دروازے کے عین محاذ میں ہوتا ہوں بسا اوقات ایک اجنبی جو مارے شوق کے سرزدہ اندر داخل ہوا ہے۔ تو سیدھا میری طرف ہی آیا ہے۔ اور پھر خود ہی غلطی پر متنبہ ہوا ہے۔ یا حاضرین میں سے کسی نے اس حقدار کی طرف اشارہ کر دیا۔"

حضرت شیخ عرفانی صاحب فرماتے ہیں:۔

۳۰ ستمبر ۱۸۹۵ء کو جب حضور چولا صاحب کے معائنہ کے لئے ڈیرہ بابا نانک تشریف لے گئے۔ چند احباب حضور کے ہمرکاب تھے۔ راستہ میں ایک جگہ آپ تشریف فرما تھے۔ بعض لوگ سن کر ملاقات کو آئے۔ مگر آپ کی سادگی نے ان میں سے بعض کو فوراً شناخت کر لینے کا موقع نہ دیا۔ اور لوگوں نے جناب مولوی محمد احسن صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ سمجھ کر ہاتھ بڑھایا تاکہ مصافحہ کریں اور جناب مولوی صاحب نے ان کو حضرت اقدس کی طرف اشارہ کرکے اپنے آقا و مولا کا پتہ دیا۔

حضرت مولانا شیر علی صاحب فرماتے ہیں کہ میں جب پہلی مرتبہ ملک شیر محمد صاحب کے ہمراہ قادیان میں آیا کھانے کے وقت ملک صاحب مجھے گول کمرہ میں لے گئے۔ جب ہم وہاں گئے تو حضرت اس مجلس میں تشریف نہیں رکھتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت اقدس تشریف لے آئے۔ اور ملک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ بتلاؤ اس مجلس میں حضرت اقدس کون سے ہیں؟ میں نے دیکھا مگر میں بتلا نہ سکا۔ آخر انھوں نے مجھے خود ہی اشارہ کرکے بتلایا کہ حضرت اقدس وہ ہیں حضرت اقدس اس سادگی اور خاموشی سے تشریف لائے تھے کہ مجھے یہ بھی علم نہ ہو سکا۔ کہ حضرت اقدس کس وقت تشریف لائے۔

حضرت اقدس کا دربار

حضرت مولانا عبد الکریم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ایکدفعہ ایک شخص جو دنیا کے فقیروں اور سجادہ نشینوں کا شیفتہ اور خو کردہ تھا۔ ہماری مسجد میں آیا۔ لوگوں کو آزادی سے گفتگو کرتے دیکھ کر حیران ہو گیا۔ آپ سے کہا کہ آپ کی مسجد میں ادب نہیں۔ لوگ بے محابا بات چیت آپ سے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میرا یہ مسلک نہیں کہ میں ایسا تند خو اور ہوّا بن کر بیٹھوں کہ لوگ مجھ سے ایسے ڈریں جیسے درندہ سے ڈرتے ہیں اور میں بت بننے سے نفرت کرتا ہوں۔ میں تو بت پرستی کے رد کرنے کو آیا ہوں۔ نہ یہ کہ میں خود بت بنوں۔ اور لوگ میری پوجا کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں اپنے نفس کو دوسروں پر ذرا بھی ترجیح نہیں دیتا۔ میرے نزدیک متکبر سے زیادہ کوئی بت پرست اور خبیث نہیں۔ متکبر کسی خدا کی پرستش نہیں کرتا۔

شیخ اسماعیل صاحب سرساوی مہاجر بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور پیر سراج الحق صاحب نعمانی مطبع کے باہر ایک چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور پائنتی کی طرف تھوڑی سی جگہ خالی تھی۔ حضرت مطبع میں کسی کام کے لئے تشریف لائے۔ ہم دونوں ایک طرف منہ کئے باتوں میں محو تھے کہ یک لخت ہماری چارپائی اس طرح ہلی جس طرح کسی کے بیٹھنے سے ہل جاتی ہے۔ منہ پھیر کر دیکھا تو پائنتی کی طرف جو تھوڑی سی جگہ خالی تھی اسی پر حضرت اقدس تشریف فرما ہیں۔ ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا ادب اسی میں ہے کہ جس طرح پہلے بیٹھے تھے اسی طرح بیٹھے رہو۔ چنانچہ ہم الامر فوق الادب سمجھ کر بیٹھ گئے اور حضرت پائنتی پر بیٹھے ہوئے ہم سے گفتگو فرماتے رہے۔

سید عزیز الرحمٰن صاحب بریلوی مہاجر قادیان بیان کرتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے مجھے عاق کر دیا۔ تو اس کے متعلق کچھ عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا مجھے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ ایک چارپائی بچھی تھی۔ میں اس پر بیٹھ گیا۔ حضرت بھی تحریر کا کام بند کرکے پائنتی کی طرف آ بیٹھے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے فرمایا اسی طرح بیٹھے رہو۔ اٹھنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت اقدس کا عہد دوستی

حضرت مولانا عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "ایکدن فرمایا میرا مذہب یہ ہے کہ جو شخص مجھ سے ایکدفعہ عہد دوستی باندھے۔ مجھے اس عہد کی اتنی رعایت ہوتی ہے کہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ اور کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے میں اس سے قطع نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر وہ خود قطع تعلق کر دے تو ہم لاچار ہیں۔

ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے دوستوں میں سے کسی نے شراب پی ہو اور بازار میں گرا ہوا ہو اور لوگوں کا ہجوم اس کے گرد ہو تو بلا خوف لومۃ لائم کے اسے اٹھا کر لے آئینگے۔ فرمایا عہد دوستی بڑا قیمتی جوہر ہے اسکو آسانی سے ضائع کر دینا نہیں چاہیے۔ اور دوستوں کیسی ہی ناگوار بات پیش آوے اس سے اغماض اور تحمل کے محل میں اتر آنا چاہیے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی حضرت اقدس کا کتنا دشمن ہو گیا تھا۔ مگر حضور اس کے ساتھ عہد تعلق کو یاد کرکے فرماتے ہیں ؎

وواللہ لاانسی زمان تعلق
ولیس فؤادی مثل ارض مُحجَّر

(ترجمہ:۔ اور خدا کی قسم اس تعلق کے زمانہ کو بھولا نہیں اور میرا دل سنگلاخ زمین کی طرح نہیں ہے)

قطعت ودادًا قد غرسناہ فی الصبا
ولیس فؤادی فی الوداد یُقصِّرُ

(ترجمہ:۔ تونے محبت کے اس درخت کو کاٹ دیا۔ جو ہم نے نوجوانی میں لگایا تھا۔ مگر میرا دل محبت میں کوتاہی کرنے والا نہیں ہے)

ممکن ہو کوئی کہدے کہ یہ ایک محض خوش کن کلام ہے - اور ایسے شیریں کلام اور لوگوں کے بھی ملتے ہیں۔ مگر میں اسکے ساتھ حضرت کی زندگی سے عملی ثبوت بھی پیش کرتا ہوں شیخ عرفانی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ اشاعۃ السنۃ کے خریداروں میں سے جو دوست احمدی ہو گئے انھوں نے رسالہ کی قیمت ادا کر کے رسالہ بند کر دیا - لیکن مولوی محمد حسین نے ان کا نام رجسٹر خریداری سے خارج نہ کئے۔ اور ان سے خواہ مخواہ قیمت کا مطالبہ کرتا رہا آخر میری معرفت حضرت اقدس کی خدمت میں خط لکھا. حضرت نے فرمایا ”دوستوں کو لکھدو، وہ اس سے حساب نہ کریں اور روپیہ بھیج دیں کہ میرے ساتھ تعلق رکھتا تھا - وہ جس قدر مانگتا ہے بطور احسان کے دیدیں“

عرفانی صاحب دوسرا واقعہ بیان فرماتے ہیں - آخر میں مولوی صاحب کی یہ حالت ہو گئی کہ کوئی کاتب انکو رسالہ لکھ کر نہ دیتا تھا - چھپوانا تو درکنار لکھی ہوئی کاپیوں کی صحت اور درستی کے لئے بھی ان کو مشکلات تھیں. جہاں تک مجھے یاد ہے انھوں نے مولوی ثناء اللہ کو لکھا. لیکن مولوی ثناء اللہ نے معاملات کے اصول پر مطالبہ کیا کہ وہ اجرت وغیرہ بھیجدیں تو ممکن ہے کہ ان کا کام کرادیں۔ معلوم نہیں مولوی صاحب نے اسکو پسند کیوں نہ کیا - اور انھوں نے مجھے پیغام دیا - کہ حضرت اقدس سے عرض کر دیں کہ منشی غلام محمد کاتب امرتسری سے (جو ان دنوں قادیان میں کام کرتے تھے) ان کا کام کرادیں - حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

”ان کو لکھدو کہ وہ اپنی کاپیاں اور مضمون لے کر آجائیں - میں اپنا کام بند کر کے ان کا کام کرادوں گا خواہ وہ میری مخالفت میں ہی ہو“

لالہ ملاوا مل سکنہ قادیان کا بیان ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو اپنے قدیمی دوستوں سے مل کر اس قدر خوش ہوتے تھے کہ آپ فرط خوشی سے چارپائی کے کبھی سرہانے اور کبھی پائنتی بیٹھتے اور بار بار ایسا کرتے

دوستوں سے ملکر رہنے کی خواہش

حضرت مولانا عبد الکریم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **فرمایا** اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ہمیں کسی مکان سے کوئی خاص انس نہیں. ہم اپنے مکان کو اپنے اور اپنے دوستوں میں مشترک جانتے ہیں اور بڑی آرزو ہے کہ مل کر چند روز گذارہ کر لیں اور فرمایا میری بڑی آرزو ہے کہ ایسا مکان ہو کہ چاروں طرف احباب کے گھر ہوں۔ اور درمیان میں میرا گھر ہو۔ اور ہر ایک گھر میں میری ایک کھڑکی ہو۔ ہر ایک سے ہر ایک وقت واسطہ و رابطہ رہے -

برادران یہ باتیں سچی ہیں اور واقعات ان کے گواہ ہیں. مکان اندر باہر نیچے اور اوپر مہمانوں سے کشتی کی طرح بھرا ہوا ہے - اور حضرت کو بھی بقدر حصہ رسدی بلکہ تھوڑا سا ایک حصہ رہنے کو ملا ہوا ہے۔ اور آپ اس میں یوں رہتے ہیں. جیسے سرائے میں. کوئی گذارہ کرتا ہے اور اس کے جی میں کبھی نہیں گذرتا کہ یہ میری کوٹھڑی ہے“

راقم مضمون ہذا اس بات کا راوی ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کے آخری ایام میں پشاور سے کچھ مہمان آئے - صاحبزادہ مولوی عبد الحی صاحب مرحوم سے ان کی بیٹھک اس مہمان کے لئے طلب کی گئی - مگر انھوں نے دینے سے انکار کر دیا - حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم ہوا حضور نے میرے سامنے اپنے اکلوتے بیٹے عبد الحی مرحوم کو فرمایا میاں ہمنے سُنا ہے کہ تم نے اپنے مہمان کو مکان دینے سے انکار کر دیا - مومن تو ایسا نہیں ہوتا ہے - دیکھو میں تمھیں ایک مومن کا حال سناتا ہوں - جب میں قادیان آیا تو حضرت اقدس نے ایک برآمدے میں رسی باندھ کر اس پر پردہ ڈالدیا - ایک طرف خود ہو گئے - دوسری طرف مجھے دے دی - پھر مولوی عبد الکریم صاحب آئے تو آپ نے ایک اور رسی باندھ دی اور پردہ ڈال کر کچھ جگہ ان کو دیدی - مولوی محمد احسن صاحب آئے آپنے ان کو بھی جگہ دے دی - اسطرح جو مہمان آتا آپ سمٹ جاتے اور مہمان کے لئے جگہ بنا دیتے - اتنی بات بیان فرما کر حضرت خلیفۃ المسیح رضی اللہ عنہ نے فرمایا میاں مومن کا دل تو ایسا ہوتا ہے -

سید ناصر شاہ مہاجر قادیان فرماتے ہیں کہ ایکدفعہ پرائمری سکول کے پاس مکان کے لئے جگہ نکلی - حکیم فضل دین صاحب مرحوم نے مجھے اس کے خریدنے کی طرف توجہ دلائی - مینے حضرت اقدس سے ذکر کیا آپنے فرمایا وہ جگہ دور ہے - اور ابھی آپ ملازمت پر ہیں اور آپ کے بھائی اور بھاوج بھی باہر ہیں - جب آپ آئینگے - پھر دیکھا جائے گا - **اور جب وہ وقت آئیگا ہم آپ کا مکان اپنے پاس بنوائیں گے۔**

پیر سراج الحق صاحب نعمانی فرماتے ہیں کہ حضرت نے خود میرے لئے مکان بنوایا - لیکن جب نئے مکان میں چلا گیا تو پھر واپس اپنے مکان میں بلوا لیا - حالانکہ میری یہ حالت تھی کہ میں تقریباً دس ماہ سے حضرت کے مکان میں رہتا تھا - اور ایک بکری بھی رکھی ہوئی تھی اسکی مینگنیاں - اس کے پیشاب کی کھرائند اور اس کے بچوں کی ممیاہٹ - پھر جھاڑ سے صحن اتنا بھرا ہوا تھا کہ حضرت کے لئے چلنے پھرنے کے لئے بھی جگہ نہ رہی تھی لیکن پھر بھی آپنے میرا علیحدہ مکان میں رہنا پسند نہ کیا

خدام سے شفقت

حافظ حامد علی صاحب مرحوم جو حضرت اقدس کے قدیمی خادم تھے ”سیرت مسیح“ میں شیخ عرفانی صاحب نے ان کا یہ بیان شائع کیا ہے۔ ”مینے ایسا انسان کبھی دیکھا ہی نہیں بلکہ زندگی بھر حضرت کے بعد کوئی انسان اخلاق کی اس شان کا نظر نہیں آتا **مجھے ساری عمر میں کبھی حضرت اقدس** نے نہ جھڑکا - اور نہ سختی سے خطاب کیا - بلکہ میں بڑا ہی سست تھا - اور اکثر آپ کے ارشادات کی تعمیل میں دیر بھی کر دیا کرتا تھا - باایں سفر میں حضور ہمیشہ مجھے ساتھ رکھتے“ بعینہٖ ایسے ہی الفاظ ہیں - جو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن سلوک کے متعلق کہے ہیں۔ حضرت انس بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ کے ایسے ہی خادم تھے جیسے حافظ حامد علی صاحب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے خادم تھے - (راقم مضمون)

میاں چراغ دین کارکن مدرسہ احمدیہ نے سنایا:- میں بچپن میں حضرت اقدس کے گھر میں رہتا تھا - ایک روز حضرت نے حافظ حامد علی صاحب کو روپے دیئے اور فرمایا کہ بازار سے گھی کا پیپا خرید کر لاؤ - حافظ صاحب مجھے ساتھ لے کر بازار گئے اور پیپہ خرید کر میرے سر پر رکھوا دیا - میں بچہ تھا - جب میں ڈپٹی شنکر داس کے مکان والی جگہ پر پہنچا تو ان دنوں اس مکان کی بنیادیں کھودی جارہی تھیں - مٹی باہر پڑی تھی - اور کچھ بارش بھی ہو رہی تھی اور کیچڑ بھی تھی - میرا پاؤں پھسل گیا اور گھی کا پیپا گر کر بہہ گیا - مزدوروں نے کہنیوں وغیرہ سے اٹھا کر گھی کڑاہیوں میں ڈالا - میں متاسف سا ہو کر حضرت صاحب کے پاس پہنچا - آپنے مجھے دیکھ کر فرمایا چراغ کیا بات ہے؟ میں نے گھی کے ضائع ہونے کا واقعہ سنایا - لیکن آپ نے مجھے کچھ نہ کہا - پیچھے سے جب حافظ حامد علی صاحب آئے - تو آپنے صرف اتنا فرمایا کہ میاں حامد علی تم نے بچے کے سر پر پیپا کیوں رکھوا دیا تھا یہ کہکر فوراً اور روپے دیے اور فرمایا جاؤ اور گھی لے آؤ۔

میرزا اسمٰعیل بیگ صاحب سکنہ قادیان بھی حضرت کے پرانے خادم ہیں - بعد میں وہ پریسمین کے کام پر متعین ہوئے. حکیم فضل دین صاحب مرحوم نے ان کی بعض کوتاہیوں کا ذکر کر کے حضرت اقدس کی خدمت میں شکایت کی اور منتظر تھے کہ حضرت کوئی سزا کا حکم دیں گے - لیکن حضرت اقدس نے فرمایا ”حکیم صاحب!
”باہمیں مرداں بباید ساخت“

انک لعلیٰ خلق عظیم

راقم مضمون ہذا کے ذوق کے مطابق حضرت اقدس کے عظیم الشان معجزات میں سے ایک معجزہ حضور کے اخلاق کا بھی ہے. جس بلند پایہ اخلاق کا آپ سے ظہور ہوا اس کی مثال سوائے آپ کے متبوع و مقتدا حضرت **محمد مصطفےٰ** صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے دنیا کے کسی انسان کی زندگی میں نہیں ملتی - حضرت کی سیرت کا یہ باب بہت وسیع ہے اور اخبار کے کالم اس کے متحمل نہیں ہو سکتے - اس لئے میں صرف ایک واقعہ درج کرتا ہوں. سنہ ۲۶ء میں لاہور میں مجھے مولوی فضل دین صاحب وکیل سے ملنے کا اتفاق ہوا - یہ وہ صاحب تھے جو مارٹن کلارک کے مقدمہ میں حضرت اقدس کی طرف سے عدالت میں پیش ہوئے تھے - اور آخری دم تک یہ غیر احمدی رہے انھوں نے مجھے اس مقدمہ کے حالات سنانے شروع کئے - مولوی محمد حسین کی گواہی کے متعلق سناتے ہوئے مجھے کہا کہ جرح کے معنیٰ ہوتے ہیں زخمی کرنا. جب مینے اپنے خصم کے متعلق جرح شروع کی - اور مینے اس کے حسب نسب کے متعلق سوال کیا کیونکہ میرا فرض تھا کہ اصل حالات عدالت کے سامنے آشکارا کرنا - اور ثابت کرنا کہ گواہ ایک ذلیل آدمی ہے. اس کی گواہی قابل وثوق نہیں لیکن مرزا صاحب نے فوراً مجھے روک دیا - اور فرمایا مولوی صاحب اس امر کی ہم اجازت نہیں دیتے (اتنی بات بیان کر کے مولوی فضل دین صاحب کی آواز بالکل بند ہو گئی اور ایک جوش بھری حالت میں کہا)

افسوس مرزا صاحب نے میری ترکش کے آخری تیر چلنے نہ دیئے بار بار یہ لفظ دہرائے اور پھر استعجاباً کہا کہ کیا حیرت کی بات ہے کہ اقدام قتل کا مقدمہ ہے۔ ایک شخص جس کی گواہی پر موت کا فتوے صادر ہوتا ہے۔ اس کی گواہی کو بھی جبکہ حقائق کی بنا پر کمزور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تو چونکہ اس گواہ کی ذات پر ایک بُرا اثر پڑتا تھا۔ آپنے روک دیا۔ پھر کہا کہ مینے ایسا موکل کوئی نہیں دیکھا اقدام قتل کا مقدمہ ہے۔ لیکن کیا حوصلے اور وقار کا پیکر ہے کہ اپنے وکیل کو بھی تسلی دلاتا ہے۔ پھر کہا کہ مجھے مرزا صاحب نے پہلے ہی کہدیا تھا۔ مولوی صاحب! ہم بری ہو جائیں گے۔

حضرت اقدس کا جذبہ ایصال خیر

نپڈت جے کشن صاحب قادیان میں ایک معمر آدمی ہیں انھوں نے ایکدفعہ مجھے سنایا نپڈت لچھمن داس نے حضرت صاحب کے پاس جاکر کہا کہ مرزا جی فلاں فلاں دوست ادھر تو آپ سے بہت فوائد حاصل کرتے ہیں اور اُدھر جب بازار میں جاتے ہیں۔ تو آپ کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ تو مرزا صاحب نے جواباً فرمایا کہ پنڈت صاحب! ہماری مثال تو بیری کی سی ہے کہ لوگ آتے ہیں اُسے ڈھیلے بھی مارتے ہیں اور بیر بھی لے جاتے ہیں

حضرت اقدس کی سخاوت

چوہدری غلام محمد صاحب بی اے۔ ہیڈ ماسٹر مدرسۃ البنات نے سنایا کہ جب بورڈنگ تعمیر ہو رہا تھا تو ایک بوڑھا آدمی ہاتھ میں درانتی پکڑے ہوئے اندر آگیا۔ مینے پوچھا بابا تو کیا دیکھتا ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں اپنے پیر کا مکان دیکھتا ہوں۔ مینے کہا کہ بابا کیا تو احمدی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ البتہ میں ان کا خاندانی مرید ہوں۔ میں ننگل کا رہنے والا ہوں۔ اور مرزا صاحب کے خاندان میں ایک نہ ایک بزرگ ہوتا چلا آیا ہے۔ ہم اس خاندان کے مرید ہیں۔ مینے کہا بابا کوئی مرزا صاحب کی بات سناؤ۔ اس نے کہا کہ میری اور مرزا صاحب کی عمر میں چند سال کا فرق ہے یعنی وہ چند سال مجھ سے بڑے تھے۔ جب ان کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب کی شادی ہوئی۔ تو انھوں نے بہت سے بکرے خرید گئے۔ چونکہ بہت دعوتیں ہوتی تھیں۔ اسلئے ہر روز ایک دو بکرے ذبح کئے جاتے تھے۔ میں اور میرا باپ ان بکروں کے رکھوالی تھے ایک روز میں بکروں کے پاس کھڑا تھا کہ مرزا صاحب آگئے۔ مجھے ننگے پاؤں دیکھ کر فرمایا کہ کیا تمھیں کانٹے نہیں چبھتے۔ اور تکلیف نہیں ہوتی۔ میں نے عرض کی کہ جناب میرے والد صاحب مجھے جوتا لے کر نہیں دیتے قریب ہی میرے والد صاحب کھڑے تھے آپ نے اُن سے فرمایا کہ اس لڑکے کو جوتا کیوں نہیں لے کر دیتے تو اُنھوں نے جواب دیا کہ جی میں غریب آدمی ہوں اسلئے مجھے توفیق نہیں تو آپ نے فوراً اپنے پاؤں سے جوتا اُتارا اور مجھے فرمایا کہ پہن کر تو دیکھو۔ مجھے وہ پاؤں کم و بیش پورا آگیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو تمھیں بالکل ٹھیک آگیا ہے۔ دوسرا پاؤں بھی اتار کر دے دیا۔ اور خود ننگے پاؤں واپس چلے گئے۔

"سیرت مسیح موعود" حضرت عرفانی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ مفتی فضل الرحمٰن صاحب کی خوش دامن (حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی بڑی اہلیہ صاحبہ) جب فوت ہو گئیں۔ تو دوسرے روز حضرت مفتی صاحب کے گھر میں عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ حفصہ یعنی مفتی صاحب کی اہلیہ کو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں جگہ دے دی ہے۔ تم فکر و غم نہ کرو میں بھی تمھارا باپ ہوں۔ جس چیز کی ضرورت ہوا کرے مجھ سے کہا کرو۔ اُس نے رو کر عرض کی کہ میں کمزور ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو اکثر بیمار رہتے ہیں۔ وہ ان کے لئے اکثر دعائیں کیا کرتی تھیں آپ کو توجہ دلاتی تھی۔ اب میں کس سے کہوں گی" فرمایا مجھ سے کہا کرو۔ اور سر سے پگڑی اوتار کر دیدی اور فرمایا کہ اس کا ایک ایک کرتہ بنا کر سب بچوں کو پہنا دو۔ اور خود اس رومی ٹوپی کو سر پر رکھ کر تشریف لے گئے۔ جو پگڑی کے اندر آپ رکھا کرتے تھے۔

حضرت اقدس کی درویشانہ زندگی

"سیرت المہدی" میں جناب مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کا بیان مندرج ہے۔ کہ مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے ان سے جب حضرت اقدس کی زندگی کے متعلق دریافت کیا۔ تو مرزا صاحب موصوف نے مولوی درد صاحب کو کچھ باتیں بتلائیں۔ مولوی صاحب نے مزید دریافت کیا تو مرزا صاحب نے فرمایا" اور بس یہی ہے کہ والد صاحب نے اپنی عمر ایک مغل کے طور پر نہیں گذاری۔ بلکہ فقیر کے طور پر گزاری" مرزا صاحب نے اسے بار بار دہرایا۔

حضرت عرفانی صاحب بیان کرتے ہیں کہ "جنگ مقدس" کے مباحثہ کے موقعہ پر حضور امرتسر میں جس مکان میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ اس میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں حضور علیحدہ بیٹھ سکتے۔ مہمانوں سے مکان بھرا ہوا تھا ایک روز میں اور مولوی الہ دین صاحب بائیبل کے بعض حوالجات دکھانے کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اقدس اسوقت کوٹھے پر دیوار کے سایہ میں ایک معمولی چٹائی بچھا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کاغذات پڑھ رہے تھے۔ اس چٹائی پر کوئی دری کوئی تکیہ کچھ بھی نہ تھا۔ اور وہ اتنی بڑی بھی نہ تھی کہ اسپر اگر لیٹنا چاہتے تو لیٹ سکتے۔ اسی طرح جب اس مکان سے اٹھ کر خان محمد شاہ والے مکان میں چلے گئے۔ تو آپ کو اسہال کی شکایت تھی۔ آخری دن تو بہت زیادہ اسہال آئے تھے حوالجات دکھانے کے سلسلے میں مجھے اور مولوی الہ دین صاحب کو پھر حضرت کے حضور حاضر ہونا پڑا۔ دیکھا کہ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اور وہ چٹائی اتنی چوڑی ہے کہ آپ کا نیچے کا جسم گھٹنوں تک زمین پر ہے۔ مگر آپ نہایت ہی بے تکلفی اور سادگی سے اس پر لیٹے ہوئے اٹھ بیٹھے۔

حضرت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت مکان اور لباس کی آرائش اور زینت سے بالکل غافل اور بے پرواہیں …… بیٹھنے کا مکان ایسا معمولی ہے کہ زمانہ کی عرفی لفاست اور صفائی کا جاں دادہ ایکدم کے لئے بھی وہاں بیٹھنا پسند نہ کرے۔ مینے بار ہا وہ تخت لکڑی کا دیکھا ہے۔ جس پر آپ گرمیوں میں باہر بیٹھتے ہیں۔ جب بھی آپنے نہیں پوچھا۔ اور جو کسی نے خدا کا خوف کر کے مٹی جھاڑ دی ہے۔ جب بھی التفات نہیں کیا۔ کہ آج کیسا صاف اور پاک ہے۔ غرض اپنے کام میں اسقدر استغراق ہے کہ ان مادی باتوں کی مطلق پرواہ نہیں۔ جب مہمانوں کی ضرورت کے لئے مکان بنوانے کی ضرورت پیش آئی ہے بار بار یہی تاکید فرمائی ہے کہ اینٹوں اور پتھروں پر پیسہ صرف کرنا عبث ہے۔ اتنا ہی کام کرو جو چند روز بسر کرنے کی گنجائش ہو جائے۔ نجار بتر بندیاں اور تختے رندہ سے صاف کر رہا تھا۔ روک دیا اور فرمایا یہ محض تکلف ہے اور ناحق کی دیر لگانا ہے۔ مختصر کام کرو"

ھ اس پر مٹی پڑی ہوئی ہے اور میلا ہے۔

چودھری غلام محمد صاحب بی۔ اے ہیڈ ماسٹر مدرسۃ البنات نے مجھے سنایا کہ لالہ کنھیا لعل صاحب قادیان نے ان سے کہا کہ ایکدفعہ حضرت مرزا صاحب کو بٹالہ جانا تھا۔ آپنے مجھے فرمایا کہ ایک یکہ کرا دیا جائے حضور جب نہر پر پہنچے تو آپ کو یاد آیا کہ کوئی چیز گھر میں رہ گئی ہے۔ یکہ والے کو وہاں چھوڑا۔ اور خود پیدل واپس تشریف لائے۔ یکہ والے کو پل پر اور سواریاں مل گئیں اور وہ بٹالہ روانہ ہو گیا۔ اور مرزا صاحب غالباً پیدل ہی بٹالہ گئے۔ تو میں نے یکہ والے کو بلا کر پیٹا اور کہا کم بخت اگر مرزا نظام الدین ہوتے تو خواہ تجھے تین دن وہاں بیٹھنا پڑتا۔ تو بیٹھتا۔ لیکن چونکہ وہ نیک اور درویش طبع آدمی ہے اس لئے تو ان کو چھوڑ کر چلا گیا۔ جب مرزا صاحب کو اس کا علم ہوا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ تم اس سے معافی مانگو۔ تم نے کیوں اسے مارا۔ وہ مزدور آدمی تھا۔ وہ میری خاطر کیسے بیٹھا رہتا اسے مزدوری مل گئی اور چلا گیا۔ میں نے کہا حضرت میں تو اسے اور ماروں گا۔ اس نے کیوں ایسا کیا۔ لیکن حضرت بار بار یہی فرماتے رہے نہیں ان سے معافی طلب کرو۔

حضرت اقدس کا جذبہ شکر گزاری

شکر کے دو رُخ ہیں ایک اشکر اللہ اور دوسرا شکر للناس۔ پہلا رُخ قدرے علمی پہلو اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور اس کا اس چھوٹے سے مضمون میں بیان ہونا قدرے دشوار امر ہے۔ ہاں اس کے متعلق حضرت اقدس کا ایک شعر لکھ دیتا ہوں ؎

کسطرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس
وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار

یہاں مجھے دو ایک بندوں کی شکر گذاری کے متعلق باتیں بیان کرنا مقصود ہے۔

حافظ نبی بخش صاحب والد مولوی فضل الرحمٰن صاحب حکیم مبلغ افریقہ حضرت اقدس کے دعوے سے قبل کا واقعہ ہے کہ حضور باغ میں تشریف لے گئے ساتھ چند اور بھی دوست تھے۔ کسی دوست نے ایک پھل دار درخت پر حضرت اقدس کا عصا مبارک پھینکا۔ وہ عصا وہیں لٹک کر رہ گیا۔ دوستوں نے پتھروں اور ڈھیلوں سے ہر چند کوشش کی۔ مگر وہ عصا نیچے نہ گرا۔ میں نوجوان لڑکا تھا۔ میں اپنا

…… ملک کے دوست تھے [illegible] فیض اللہ [illegible] قادیان کے قریب ہے وہ بیان [illegible]

تہ بند کس کر درخت کے اوپر چڑھ گیا۔ اور عصا مبارک اتار لایا۔ حضرت اقدس کو اس سے بہت خوشی ہوئی۔ بار بار فرماتے میاں نبی بخش تم نے بڑا کمال کیا۔ تم نے تو آج میرے والد صاحب کا سونٹا نیا لاکر مجھے دیا ہے باغ سے واپس لوٹتے تو راستہ میں جو ملے اُن سے بھی ذکر کیا کہ میاں نبی بخش نے مجھے آج نیا سونٹا لاکر مجھے دیا ہے۔ پھر مسجد میں آکر بھی اسی شکر گزاری کا ذکر فرماتے رہے۔

مولوی غلام حسین صاحب ڈنگوی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ وہ شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ صاحب مرحوم تو انگور لائے اور میں اپنے علاقہ گجرات سے خشک جنگلی بیر لایا۔ اور حضرت کے نذر کئے۔ دوسرے روز مغرب کے وقت میں حضرت کو دبا رہا تھا کہ دباتے دباتے میرا ہاتھ حضرت کی کوٹ کی جیب پر پڑا۔ تو حضرت نے فرمایا اس میں وہی بیر ہیں جو آپ لائے ہیں۔ مجھے یہ بہت ہی پسند ہیں۔ بار بار اس کا ذکر فرمایا۔

منشی کرم علی صاحب کاتب ریویو نے بیان کیا کہ حضرت اقدس کو میری سنگسازی کے ہنر پر بہت تعجب ہوا کرتا تھا۔ کہ تم کس طرح الٹا لکھ لیتے ہو۔ ایک روز آپ نے فرمایا۔ کہ اگر پروف میں کوئی غلطی نہ ہوئی تو ہم آپ کو انعام دیں گے۔ جب پروف آیا تو حضور نے ایک غلطی لگائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ تمہاری غلطی نہیں ہے۔ اصل میں یہ مجھ سے ہی غلطی رہ گئی تھی۔ اور ایک روپیہ انعام بھی مجھے دے دیا۔

احباب اور خدام پر حُسنِ ظن

جناب میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر فاروق کی روایت ہے کہ ۱۹۰۵ء میں جب حضور دہلی تشریف لے گئے تو مہمانوں کے کھانے کے لئے ایک مٹھی بھر کر روپے مجھے دیتے۔ میں نے الگ ہو کر گنے۔ تو وہ ۲۵ یا ۲۶ تھے۔ جب وہ خرچ ہو گئے تو میں نے ان کا حساب لکھ کر حضرت کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا:۔

"میر صاحب! میں حساب لینے کے لئے دنیا میں نہیں آیا۔ بلکہ خدا کے ساتھ لوگوں کو ملانے آیا ہوں۔ آپ حساب لکھنے کی تکلیف نہ فرمایا کریں۔ بلکہ اگر زیادہ محتاط رہنا ہے تو میرے دیئے ہوئے روپے سارے کے سارے ایک جیب میں ڈال رکھا کرو۔ اس میں اور کوئی پیسہ نہ ڈالا کریں۔ اور جب ختم ہو جائیں تو ہمکو کہدیا کرو۔

عرفانی صاحب اپنی "سیرت مسیح موعود" میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس نے ایک مرتبہ بہت سا روپیہ الیقاظ الناس اور بعض دوسری عربی کتابوں کے لئے منشی غلام قادر صاحب فصیح سیالکوٹی کو دیا۔ وہ اس کا حساب بنا کر لائے اور حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا "میں اپنے دوستوں سے حساب نہیں کرتا۔ اپنے مال کا حساب نہیں ہوتا

حضرت مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گاؤں کے بہت ہی گمنام اور پست ہمت اور وضیع فطرت جولاہوں کے لڑکے اندر خدمت کرتے ہیں۔ اور بیسیوں روپے کے سودے لاتے اور بار ہا لاہور جاتے اور ضروری اشیاء خرید لاتے ہیں۔ کبھی گرفت نہیں۔ سختی نہیں۔ باز پرس نہیں ..... میں نے کبھی نہیں سنا کہ اندر تکرار ہو رہی ہے۔ اور کسی شخص سے لین دین کے متعلق باز پرس ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ کیا سکون زا دل اور پاک فطرت ہے۔ جس میں سوءِ ظنی کا شیطان نشیمن نہیں بنا سکا"

مساوات کا نادر اسوہ

مرزا اسمٰعیل بیگ صاحب جو کہ حضرت اقدس کے پرانے خادم ہیں ان کی روایت ہے کہ جب حضرت اقدس نے اپنے والد بزرگوار کے ارشاد کے ماتحت بعثت سے قبل مقدمات کی پیروی کے لئے جایا کرتے تھے۔ تو سواری کے لئے گھوڑا بھی ساتھ ہوتا تھا۔ اور میں بھی عموماً ہمرکاب ہوتا تھا۔ لیکن جب آپ چلنے لگتے تو آپ پیدل ہی چلتے اور مجھے گھوڑی پر سوار کرا دیتے۔ میں بار بار انکار کرتا۔ اور عرض کرتا مجھے حضور شرم آتی ہے آپ فرماتے کہ کیوں تمہیں گھوڑے پر سوار ہونے سے شرم آتی ہے۔ ہم کو پیدل چلنے میں شرم نہیں آتی۔

جب حضرت قادیان سے چلتے تو ہمیشہ پہلے مجھے سوار کرتے۔ جب نصف سے کم یا زیادہ راستہ طے ہو جاتا۔ تو میں اتر پڑتا۔ اور آپ سوار ہو جاتے اور اسی طرح جب عدالت سے واپس ہونے لگتے تو پہلے مجھے سوار کرتے۔ اور بعد میں آپ سوار ہوتے جب آپ سوار ہوتے تو گھوڑا جس چال سے چلتا اسی چال سے چلنے دیتے۔ ایسا ہوتا کہ گویا باگوں کو اشارہ بھی نہیں ہوا۔

"سیرت المہدی" میں میاں عبداللہ صاحب سنوری رضی اللہ عنہ کی روایت درج ہے کہ جب حضرت شیخ مہر علی رئیس ہوشیارپوری کے بلانے پر ان کے لڑکے کی شادی پر ہوشیارپور تشریف لے گئے۔ تو میں اور میر عباس علی اور شیخ حامد علی صاحب ساتھ تھے

شیخ مہر علی صاحب نے یہ انتظام کیا تھا کہ دعوت میں کھانے کے وقت رؤسا کیواسطے الگ کمرہ تھا اور ان کے ساتھیوں اور خدام کے واسطے الگ تھا۔ مگر حضرت صاحب کا یہ قاعدہ تھا کہ اپنے ساتھ والوں کو ہمیشہ اپنے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر بھی آپ ہم تینوں کو اپنے داخل ہونے سے پہلے کمرہ میں داخل کرتے تھے۔ اور خود بعد میں داخل ہوتے تھے۔ اور اپنے دائیں بائیں ہم کو بٹھاتے تھے۔

الغرض یہ ذکر حبیب کی حدیث بہت ہی دلآویز اور دراز تر کہنے کے قابل ہے۔ حضرت کے کس کس وصف کو بیان کیا جائے۔ آپ کی ہر ایک ادا شیریں اور ہر ایک حسن زالی شان رکھتا ہے۔ لیکن اخبار کے کالم محدود ہیں۔ اسلئے بادلِ ناخواستہ یہ کہہ کر بس کرتا ہوں

دامانِ نگاہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچیں بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

وقایع یوسفی

حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف جمال جدہ کے ایک مشہور تاجر اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مخلص ممتاز بزرگوں میں سے ہیں۔ آپکو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے تعلقات صہری کا شرف بھی حاصل ہے آپنے اپنے بعض واقعات لکھ کر بغرض اشاعت عطا فرمائے ہیں اور آئندہ بھی کچھ نہ کچھ امید ہے انشاء اللہ لکھتے رہیں گے۔ امید ہے احباب اسے دلچسپی سے پڑھیں گے۔ (عرفانی)

۱۳۲۴ھ کا واقعہ ہے کہ ۷ ر شعبان یوم الاحد میں قادیان پہنچا ظہر کے وقت۔ ۱۱ ر شعبان کو موافق یوم السبت حضرت صاحب سے رضا لیکر ٹرین روانہ ہوا حضرت مسیح موعود نے مفتی محمد صادق صاحب کو فرمایا کہ سیٹھ صاحب کو ۱۰ نسخہ الاستفتاء کے دو۔ وہ حجاز میں علماء کو تقسیم کریں۔ مفتی صاحب نے ۱۰ نسخے دئے اور ساتھ ہی میں ۱۰ نسخہ تفسیر سورۂ فاتحہ کے بھی لے گیا۔ ۱ ر مضان کو جدہ پہنچا اور ۲۶ ر رمضان کو ایک استفتاء سید محمد حامد مفتی حنفیہ کو جو میرے استاد بھی تھے پیش کیا۔ صفحہ کھولا تو تصویر پر نظر پڑی۔ بولے اس میں تو تصویر ہے۔ میں نے کہا کہ سلطان عبدالحمید کی بھی تصویر اب تو جدہ میں آنیوالی ہے۔ دوسرا صفحہ کھولا کچھ پڑھ کر کہا کہ یہ تو شرطیں باندھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق رض نے بھی شرط باندھی تھی۔ خاموش ہو کر اس کو ساتھ لے گئے۔ دوسرا نسخہ الشیخ احمد بن سلمان صانع جو ایک بڑے عالم شافعی مذہب کے تھے دیا۔ تیسرا نسخہ الشیخ احمد بن صبرین کو دیا وہ بھی شافعی مذہب تھے۔ ایک چوتھے شافعی مذہب کے عالم صاحب جن کا نام احمد یا جنید تھا خود دوکان پر آکر لے گئے پہلے دونوں نے تو سکوت کیا لیکن جب شیخ احمد بن سلمان کے پاس دوسری عید کو ملنے گیا ... تو ایک قصہ یوں بیان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے مرتے وقت کہا تھا کہ کفنونی فی ثیاب بالیہ فانہا خلقت للدود والتراب بہت لوگ بیٹھے تھے کسی کو کچھ اعتراض گذرا ہوگا فوراً یہ جملہ بھی ساتھ ہی کہا مطلب اس کا یہ تھا کہ جسد مبارک صدیق اکبر کا اس سے مستثنیٰ ہے یعنی وہ تو حی ہیں حزبہ کا فقرہ ...

... چھوٹا سا تھا اسکے معنی ایسے ہی ہوتے ہیں - محمد حامد کے پاس لوگوں نے جاکر کہا کہ تمہارا ابکر یوسف آیا ہے اور ایسا ایسا کہتا ہے - انھوں نے کہا کہ جب تمہارے پاس آکر کچھ کہے تو میرے پاس لاکر سوال کرنا

شیخ احمد صبرین نے تو جلد ایک رسالہ رد میں لکھ کر چھپوا دیا اور جدہ میں شائع بھی کر دیا۔ احمد یا جنید نے تو بازار میں نکلنا شروع کر دیا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں دیتا تھا۔ اب خدا کا الہام انی مھین من اساد اھانتک پورا ہونا ظاہر ہوتا کہ اس سال جدہ میں سخت طاعون پڑی۔ وہ طاعون میں مر گیا۔ شیخ احمد بن صبرین ماہ ذیقعدہ ہی میں بسبب کچھ تسبیح کے بارے میں مسئلہ بیان کرنے میں عوام کو نہ سمجھانے کے عوام نے بازار اس کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ پھر خواص میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ تو وہابی ہو گیا ہے اور یہ ذلت دوسرے ہی مہینے میں اس کو لاحق آگئی

یہ پہلا واقعہ ہے حضرت مسیح موعود کی صداقت کا جو حجاز میں میرے جانے کے بعد ہوا۔

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

ہم سے پوچھو اس نگاہِ ناز کی خونریزیاں
ہم نے دیکھا ہے تماشا قتل کا ہوتے ہوئے

تاللہ لقد ارسلنا الی امم من قبلک فزین لھم الشیطن اعمالھم۔ اللہ کی قسم ہم نے تمام امتوں کے گروہوں کی طرف تیرے سے پہلے (یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم) رسول بھیجے (کیوں بھیجے) کہ شیطانوں نے ان کی بد اعمالی ان کے لئے زینت کا سامان بنادی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھاکر بیان کیا کہ رسولوں کے بھیجنے کی ضرورت جب ہوئی۔ جب کہ شیطانوں نے یعنی ان کے بارسوخ لیڈروں اور پیروں اور علماء نے ان کی بد اعمالیاں ان کی نظروں میں بہت عمدہ اور پسندیدہ بنادیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا میں جو گروہ خراب ہوا وہیں رسول بھیجا۔ اور رسول بھیجنے کی ضرورت ان لوگوں کی بد اعمالیاں اور بدکرداریاں بتلائیں۔ اب یہ دیکھنا ہے۔ کہ بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ ضرورت لاحق ہوئی۔ کہ نہیں۔ اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسانوں میں ضروری بد اعمالیاں پیدا ہوں۔ اگر دنیا میں بد اعمالیاں نہیں ہوئیں۔ اور دنیا میں اعمال صالحہ اور نیکیاں ہی نیکیاں ہیں۔ تو کسی رسول کی ضرورت نہیں۔ اور جو پہلے سے بھی زیادہ بدیاں اور خرابیاں ہوگئیں۔ یا یوں کہو کہ جو جو بدیاں ہر ایک فرقہ میں پہلے تھیں ان کا مجموعہ اب موجود ہے۔ تو کسی رسول کی ضرورت بھی ضروری لازم ہوئی۔ یہ بات غور کرنے کے لائق ہے۔ کہ پہلے تو رسول براہ راست ہر ایک زمانہ میں ہوتے رہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بتوسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہوں۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ کہ اہدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم۔ کہ وہ راہ استقامت دکھا۔ جو پہلے منعم علیہ گروہ کو دکھائی۔ سو وہ منعم علیھم لوگ نبی اور صدیق اور شہید اور صالح تھے۔ اگر نبی نہیں ہوسکتے ہیں تو صدیق، شہید، صالح بھی نہیں ہوسکتے۔ یہ چار گروہ ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ ایک کی ان میں سے ضرورت نہیں۔ تو تینوں کی ضرورت نہیں۔ تو اس سے یہ امت خالی رہ جاتی ہے۔ صراط الذین انعمت علیھم کی تفسیر خدا نے قرآن شریف میں دوسری جگہ فرمادی۔ کہ ومن یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین۔ یعنی جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی۔ یہ منعم علیہ گروہ کے ساتھ والے ہیں۔ جو نبی، صدیق، شہید، صالح ہیں۔ مع کے معنے یہ نہیں۔ کہ ان کے ہمراہ ہوں گے۔ جیسے کہ حاکم کے ساتھ اردلی سپاہی ہوتے ہیں۔ مع کے معیت کے وہ ہیں۔ جو انہیں میں سے انعام یافتہ ہوں گے۔ جیسے توفنا مع الابرار ہے۔ یہ معیت اسی مقام کو چاہتی ہے۔ جیسے صراط الذین انعمت علیھم راستہ طلب نہیں کیا گیا۔ بلکہ راستہ کی وہ منزل مقصود چاہی گئی ہے۔ جس کا حاصل کرنا مقصود ہے۔ اگر نبی اس امت میں سے نہیں ہوتے تھے۔ اور جو دعویٰ کرے یا یہ اعتقاد رکھے۔ وہ کافر اکفر ضالی مضل اور دجال ٹھہرے۔ تو پھر یہ دعا کیوں سکھائی گئی۔ اور کیوں تعلیم کی گئی۔ مگر جس گندے خیال سے بھی انسان کافر وغیرہ بنجائے نہ ایک دفعہ دعا بلکہ رات دن میں پچاس ساٹھ بار یہ دعا طلب کی جاتی ہے۔ جس کے نہ طلب کرنے سے نماز ہی نہیں ہوتی ہے۔ حاصل مطلب اس کا یہی ہے۔ کہ انسان اس گروہ منعم علیھم میں داخل ہو۔ مثال کے طور پر یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ ایک انسان دعا کرتا ہے۔ کہ میں اپنے نبی متبوع کا ہمرتبہ ہوجاؤں اور وہی راہ مقصود حاصل ہو۔ جو اس کو ہوئی۔ تو وہ اس میں فنا ہوکر وہی مقام حاصل کرلیوے۔ مثلاً ہم نے دعا کی کہ ہم محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم بن جائیں۔ تو وہ مجاہدہ کرکے اس کے ذریعہ سے وہی نبی متبوع بن جائے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی بن جائے۔ اور وہ واقعی بن جائے۔ مگر پھر وہ دیکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگے ہی آگے ہیں۔ اور یہ بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن گیا۔ تو چونکہ جو مجاہدات اور ریاضیات اور اعمال صالحہ اس کی تعلیم سے اس کو کرنے پڑے وہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملنے ضروری ہیں۔ یہ تو معلوم ہے کہ جو امتی اعمالی صالح اور ریاضیات بجا لائیگا۔ یا جو اولاد نیک کام کرے گی۔ تو اس کا ثواب یا بڑا حصہ والدین کو بھی ملیگا۔ اور نبی متبوع کو بھی پہنچیگا۔ تو اس کے اعمال اور اس کے یعنی نبی متبوع کے اعمال اس نبی متبوع کو آگے ہی آگے لے جائیں گے اب پھر یہ دعا کرتا ہے۔ کہ اہدنا الصراط المستقیم اس کے باعث سے یہ نبی متبوع کے مقام کو من کل الوجوہ حاصل کرلے گا۔۔۔ صوفیائے کرام میں یہ بحث ہوئی ہے۔ کہ نبی کے رتبہ کو امتی نہیں پہنچ سکتا۔ اور پہنچ بھی سکتا ہے۔ پہنچنا اس وجہ سے ہے۔ کہ وہ اس کی تعلیم و تربیت کے باعث سے وہ مرتبہ فنافی الرسول ہونے کا لے لیتا ہے۔ اور رسول کے نامہ اعمال میں امتی کے نامہ اعمال بھی شامل ہوکر وہ رسول آگے ہی آگے رہیگا۔ اسی باعث سے اس امت میں نبوت کا درجہ حاصل کرنے کا توسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقرر کیا گیا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم تمام عالموں اور سرخ و سفید کے نبی ہیں۔ پس وہ پیشگوئی۔۔۔ جو امام مہدی اور مسیح کے بارہ میں ہے۔ وہ اسی معنے سے ہے۔ مہدی و مسیح دو نہیں بلکہ ایک ہی شخص ہے۔ لوگوں کی غلطی سے ایک کے دو بن گئے۔ جو صحیح حدیث ہے۔ وہ ابن ماجہ کی ہے۔ جو صحاح ستہ میں ہے۔ کہ لا مہدی الا عیسیٰ۔ جیسے لا الہ الا اللہ۔

اب یہ زمانہ پھر نازک اور شرارتوں کا آیا۔ جس میں دجال بھی موجود ہے۔ اور وہ علما بھی موجود جو علماء ھم شر من تحت ادیم السماء۔ اور اسلام کا نام ہی نام باقی رہجائے گا۔ اور قرآن شریف گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔ گو اسے پڑھیں گے۔ اور نمازیں بھی رسمی اور شریعت کو بھول جائیں گے۔ ان کی جگہ راہ و رسم بیہودہ جاری کریں گے۔ پس وہ مہدی آیا۔ عین ضرورت کے وقت خدا نے مبعوث کیا۔ وہ مسیح خاص الخاص زمانہ کے لحاظ سے مبعوث ہوا۔ جو قادیان پنجاب میں ہے۔ جس کا نام نامی واسم گرامی غلام احمد، اور زمانہ کی ضرورت کے سبب سے خدا کے نزدیک مہدی و مسیح موعود ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم القیامۃ۔

اخبار الحکم کا یہ خاص نمبر نکلتا ہے۔ اس کے لئے مضمون لکھنا ایک مشکل امر یہ ہے۔ کہ آپ کی کس کس بات کو لکھوں آپ کا چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، کلام کرنا، سونا، جاگنا، ہر ایک کام تبلیغ بادشاہوں، امیروں کو وقتاً فوقتاً کرنا۔ اور ہر ایک طبقہ کے لوگوں کے لئے ان کی اصلاح کو مدنظر رکھ کر رحمت و عذاب کی پیشگوئیاں کیں۔ اور اپنا ثبوت پیش کردیا ایسا کہ جیسے دو اور دو چار۔ ایسے ہیں کہ ایک ایک ہی حرکت و سکون پر بڑی بڑی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ دو چار باتیں اس وقت لکھدینی چاہتا ہوں باقی حالات تذکرۃ المہدی حصہ اول و دوم میں لکھے ہیں اور حصہ سوم و چہارم وغیرہ دو ہزار صفحہ کی کتاب لکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرے۔

ایک روز حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جلسہ کیا۔ جس میں چالیس آدمی تھے۔ اور وہ جلسہ عیدگاہ کے مشرقی طرف درخت بڑ کے نیچے فرمایا۔ وہاں جاکر سب زمین پر بیٹھ گئے۔ اور آپ بھی زمین پر ہی رونق افروز ہوئے۔ فرمایا۔ یہ جلسہ اس غرض سے کیا گیا ہے۔ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اور نیز ہمارے الہامات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ تمام بادشاہوں میں جنگ ہوگا۔ اور خاصکر یاجوج ماجوج جو روس اور انگریز ہیں۔ ان میں بھی جنگ ہوگا۔ ہم تو خدا جانے اس وقت ہوں یا نہ ہوں۔ آؤ ہم اپنی گورنمنٹ برطانیہ کی فتح کے لیئے دعا کریں۔ کیونکہ خدا نے ہمیں اس میں پیدا کیا۔ اور اس کو ہمارے لئے ہتھیار بنایا۔ اللہ تعالیٰ اس گورنمنٹ کو ہر ایک مقام و موقعہ پر فتحمند کرے۔ سب نے دعائیں کیں اور بڑی دیر تک دعائیں کیں۔ کہ ہمارے دست و بازو تھک گئے۔ اور درد کرنے لگے۔ پھر واپس قادیان میں آگئے۔ یہ دس بجے دن کا وقت تھا۔ اور گرمیوں کا موسم۔ حافظ حامد علی مرحوم۔ اور مرزا اسمٰعیل بیگ سلمہٗ۔ اور حضرت مولانا نورالدین خلیفہ اول رضی اللہ عنہ اور حکیم فضل الدین رضی اللہ عنہ۔ اور میاں خیرالدین سلمہٗ و امام الدین سلمہٗ۔ و جمال الدین مرحوم ساکن سیکھواں۔ غالباً منشی عبدالعزیز بھی تھے۔ کچھ کپورتھلہ کے اور کچھ لاہور کے احباب تھے۔ اور ایک دو امرتسر کے باقیوں کے نام یاد نہیں۔ شاید منشی تاج الدین اور صوفی علی محمد ملہم رضی اللہ عنہ تھے۔

حافظ محمد صاحب پشاوری رضی اللہ عنہ بڑے مخلص اور متقی اور قرآن شریف کا عمدہ و اعلیٰ ترجمہ کرنیوالے تھے بڑے بہادر حق کو فوراً قبول کرنے والے تھے۔ جب وہ پشاور میں فوت ہوئے۔ تو حضرت مولوی سرور شاہ صاحب یہیں تھے۔ ایک روز مولوی غلام حسن صاحب کے مکان پر قریباً بیس آدمی جمع تھے۔ حافظ صاحب نے باتوں باتوں میں تقوے کے ذکر میں مولوی غلام حسن صاحب سے دریافت کیا کہ آپ متقی ہیں۔ انہوں نے انکار کیا۔ کہ میں تقویٰ کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ حافظ صاحب نے کہا۔ کہ آپ احمدی ہوکر بھی متقی نہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔ مولوی صاحب نے پھر انکار کیا۔ تو حافظ صاحب نے ہر ایک سے فرداً فرداً دریافت کیا۔ کہ آپ متقی ہیں۔ تو سب نے وہی جواب دیا۔ جو مولوی صاحب نے جواب دیا تھا۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔

(باقی دیکھو ص)

چند روز کے بعد بیمار ہوگئے۔ انہوں نے اپنی اولاد کو نصیحت کی۔ کہ جتنے بھی یہ احمدی ہیں۔ مجھے ان کی احمدیت میں شک ہے۔ میرے جنازہ کی ان کو اطلاع نہ کرنا۔ بیٹوں نے کہا۔ کہ نماز کون پڑھے گا۔ حافظ صاحب نے کہا۔ کہ ملائکہ نماز پڑھیں گے۔ اور حاکم وقت دفن کریں گے۔ چونکہ یہ لوگ متقی نہیں۔ احمدی بھی نہیں میں پسند نہیں کرتا کہ میرے جنازہ کی نماز پڑھیں۔ جب ان کا انتقال ہوگیا۔ تو آٹھ دس روز کے بعد خبر ملی۔ قادیان میں ان کے انتقال کی صرف خبر آئی تھی۔ حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حافظ صاحب کے جنازہ کی نماز غائب پڑھی تفصیلی علم کسی کو نہیں جب مولانا سرور شاہ صاحب قادیان آئے اور حضرت اقدس علیہ السلام سیر کے لئے موضع بٹر کی طرف تشریف لے گئے۔ تو مولوی سرور شاہ صاحب نے "حافظ صاحب مرحوم کا یہ واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ حافظ محمد مرحوم حق پر تھے۔ اور یہ سب غلطی پر تھے۔ کیونکہ جو مومن ہوتا ہے۔ وہ متقی بھی ہوتا ہے۔ مومن ہونا ہی متقی کا نشان ہے۔ ایمان ہی ہے کہ جس سے انسان تقویٰ حاصل کرتا ہے۔ سو آپ نے حافظ صاحب رضی اللہ عنہ کو حق پر فرمایا۔ اور فرمایا۔ کہ جب کسی سے پوچھا جائے کہ تم مومن ہو تو فوراً قبول کرے گا۔ کہ ہاں میں مومن ہوں۔ اور جب متقی ہونا دریافت کیا جائے تو تعجب ہے کہ اس سے انکار کرے۔ مولوی سرور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس مجلس میں ایک میں باقی رہا کہ مجھ سے حافظ صاحب نے سوال نہیں کیا ورنہ سب سے سوال کیا۔ اگرچہ یہ خبر ایک صاحب بوڑھے سے مختصر ملی تھی۔ لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ کسی اور کی زبانی بھی معلوم کروں۔ سو اتفاق سے مولانا سرور شاہ صاحب نے مفصل یہ بیان فرمایا۔

جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ الہام ہوا کہ

"پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی"

اور یہ الہام کہ:-

"پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنیکے دن"

تو آپ نے بڑی دیر تک اس مکان میں کہ جہاں حضرت مکرم صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب کا مکان ہے تقریر فرمائی۔ اور فرمایا کہ پھر کا لفظ خدا جانے کہاں تک جائیگا اور کتنے عرصہ طول پکڑے گا۔ فرمایا پھر بہار آئی پھر خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ اسکی کوئی انتہا نہیں۔ پھر پھر پھر کا لفظ بار بار خدا کا فرمانا ایسا نہیں ہے۔ کہ جس کی حد بست کی جائے۔ ناصر شاہ صاحب بھی اس وقت وہاں موجود تھے۔

ابو النعمان سراج الحق نعمانی سرساوی۔ حال مہاجر قادیان

منظرِ وصال

مخدومی حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب نے از راہ کرم حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منظر وصال کے متعلق خاص نمبر کے لئے ذیل کا دلچسپ مضمون لکھ کر ارسال فرمایا ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزا (عرفانی)

جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اہل بیت کے ہمراہ آخری سفر میں لاہور تشریف لے گئے۔ تو میں ان ایام میں اپنے ایک عزیز کی شادی کی تقریب پر اپنے قدیمی وطن بھیرہ ضلع شاہ پور گیا ہوا تھا۔ وہیں مجھے یہ خبر ملی۔ کہ حضرت صاحب لاہور تشریف لے گئے ہیں۔ اس واسطے میں نے ارادہ کیا۔ کہ واپسی پر بجائے قادیان آنے کے میں لاہور میں ٹھہر جاؤں۔ لیکن جب میں بھیرہ سے آتا ہوا لاہور کے اسٹیشن پر پہنچا۔ تو ایک احمدی بھائی نے مجھے بتلایا۔ کہ حضرت صاحب نے قادیان سے کسی کو لاہور آنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ اس سفر کو پرائیوٹ رکھنے کے واسطے اور آرام کرنے کے واسطے بہت اجتماع سے منع کیا ہے۔ اس واسطے لاہور اترنے کی بجائے میں سیدھا قادیان چلا آیا۔ اور پہنچ کر رپورٹ کی۔ کہ عاجز بھیرہ سے واپس قادیان آگیا ہے۔ چند روز کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک کارڈ آیا۔ جس میں حضور نے مجھے لاہور بلایا۔ کہ ڈاک بہت جمع ہوگئی ہے۔ آپ لاہور آئیں۔ ان کے جواب لکھ دیں۔ اور مل جائیں۔ اس حکم کے ملنے پر لاہور گیا۔ اور حضور کے وصال تک پھر وہیں رہا۔ بلکہ اخبار "بدر" کا دفتر اور عملہ بھی لاہور بلا لیا اور وہاں لاہور کے ایک پریس میں انتظام کرکے اخبار بدر بھی وہیں سے ہفتہ میں تین بار نکلنے لگا۔ حضرت صاحب کا قیام ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان میں تھا۔ اور ہم لوگ۔۔۔ خواجہ کمال الدین مرحوم کے مکان پر فروکش تھے۔ نمازیں بھی خواجہ صاحب کے مکان پر پڑھی جاتی تھیں۔ اس وقت احمدیہ بلڈنگس میں کوئی مسجد نہ تھی۔ حضرت صاحب نمازوں کے واسطے باہر تشریف لاتے۔ ایک دن کسی مسجد کے مکتب کا ایک طالبعلم آیا۔ جو کچھ سوال کرتا تھا۔ اور گستاخی سے باتیں کرتا تھا۔ حضرت صاحب نے فرمایا:- "ہم اپنا کام کر چکے۔ اب جو چاہیں۔ سو لوگ کریں"

جب حضرت صاحب کے ایک لیکچر کی تجویز ہوئی۔ تو آپ مکان کی چھت کے اوپر جا کر علیحدگی میں مضمون کی تیاری کرتے تھے۔ اور سب سے اول قرآن شریف کو ایک دفعہ پڑھ کر اس میں سے بعض آیات لکھتے جاتے تھے۔ عموماً آپ کا یہی طرز تھا۔ کہ ہر تصنیف سے قبل قرآن شریف کو ضرور پڑھتے تھے۔ اور کسی کتاب کی طرف رجوع نہ کرتے تھے۔ ہاں عربی تصانیف کے واسطے لکھنے کے بعد لغت دیکھا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ لکھتے لکھتے اچانک عربی کے ایسے الفاظ اور محاورات زبان پر آجاتے ہیں۔ جن کے معنے ہمیں معلوم نہیں ہوتے۔ بعد میں لغت کی کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ الفاظ اس محل اور موقعہ پر کیسے موزون ہیں۔

اگرچہ حضرت صاحب کے وصال سے قبل کئی ایک الہامات اور خوابیں ایسی شائع ہو چکی تھیں۔ جن سے ظاہر تھا۔ کہ حضور کی وفات کا وقت بہت قریب آگیا ہے۔ بلکہ کتاب "قادیان کے آریہ اور ہم" میں ایک شعر بھی اس مضمون کا چھپ گیا تھا۔ ع

جلد آ پیارے ساقی اب کچھ نہیں ہے باقی
دے شربتِ تلاقی حرص و ہوا یہی ہے

لیکن سچ بات یہ ہے۔ کہ ہم سب اس آنے والی گھڑی سے ایسے غافل تھے۔ کہ گویا ایسا وقت کبھی ہم پر نہ آئیگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم میں سے چلے جائیں گے۔ اور ہم یتیموں کی طرح رہ جائیں گے۔ حضرت صاحب کی پاک صحبتوں کا ایسا خمار ہم پر چڑھا ہوا تھا۔ کہ کوئی بادشاہ یا فقیر ایسا بے غم اور اطمینان اور خوشی سے بھرپور نہ ہوگا۔ جیسا کہ ہم تھے۔ اور آپ کی وفات ہمارے لئے۔۔ ایک ناگہانی صدمہ تھا۔ جس کی برداشت ہم محض خدا کے فضل و کرم سے کر سکے۔

یہ بھی اس کی رحمت ہے۔ کہ آخری وقت میں عاجز حضور کے قدموں میں حاضر تھا۔ اور پاؤں دبا رہا تھا۔ جب کہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے حضور کے سینے پر سٹتھسکوپ لگا کر معلوم کیا۔ کہ دل کی حرکت بند ہوگئی ہے اور انا للہ پڑھا۔ اور سب رونے لگ گئے۔ اگرچہ آپ کا وصال اپنے وقت پر جیسا مقدر تھا ہوا۔ اور پیشگوئیوں کے مطابق ہوا۔ مگر اس کا ظاہری سبب میرے خیال میں وہ انتہائی دماغی محنت تھی۔ جو کہ آپ نے اپنے آخری لیکچر کی تیاری میں کی۔ پہلے بھی کئی دفعہ ایسا ہوا۔ کہ جب حضور سخت دماغی محنت کیا کرتے۔ تو اچانک آپ کے دماغ پر ایک کمزوری کا حملہ ہوتا۔ اور بے ہوش ہو جاتے۔

ایک دفعہ کا واقعہ مجھے یاد ہے۔ جب کہ عیسائی دشمنوں نے حضور پر مقدمہ اقدام قتل کا بنایا۔ اور مسلمان مولوی صاحبان عیسائیوں کی تائید میں گواہیاں دینے کے لئے آئے۔ تو جس دن بٹالہ میں پیشی تھی۔ اس سے قبل رات عشاء کی نماز کے بعد حضور جواب دعویٰ لکھنے بیٹھے۔ اور مجھے حکم فرمایا۔ کہ میں حضور کے مسودہ کو خوشخط لکھتا جاؤں۔ اندر کے صحن میں حضور بیٹھ گئے۔ لالٹین اور بتیاں روشن کی گئیں۔ برادرم مرزا ایوب بیگ صاحب مرحوم مغفور حضرت کا مسودہ پڑھتے جاتے تھے۔ میں لکھتا جاتا تھا۔ حضرت پیر افتخار احمد صاحب بھی موجود تھے۔ حضرت صاحب مسودہ لکھتے رہے۔ اور میں نقل کرتا رہا۔ اسی حالت میں ساری رات گذر گئی۔ اور صبح کی اذان ہوگئی۔ اس وقت اچانک حضرت صاحب کو دماغ میں تکلیف محسوس ہوئی جس سے لیٹ گئے۔ اور بے ہوش ہوگئے۔ لوگ باہر سے بلائے گئے۔ بہت دیر تک بدن کو دبانے اور ملنے کے بعد ہوش میں آئے۔

غرض آپ کی وفات ایک دینی خدمت میں محویت کے سبب تھی۔ اسی کے واسطے آپ جیتے تھے۔ اور اسی میں آپ کی موت ہوئی۔ اور بموجب آیت شریفہ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین آپ کے تمام حرکات و سکنات و عبادات اور زندگی اور موت سب اللہ کے لئے تھا۔

خدا تعالےٰ کی بے انتہا رحمتیں اور برکتیں آپ پر ہوں اور آپ کی اولاد پر ہوں ابد الآباد تک۔ آمین۔

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام شیخ محمود احمد عرفانی پرنٹر و پبلشر چھپا اور الحکم آفس واقع تراب منزل قادیان سے شائع ہوا